

تاریخ اسلام

مکمل

مصنفہ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ



شعبہ اشاعت
مدرسہ عربیہ اسلامیہ، پشاور، پاکستان

تاریخ اسلام



مؤلفہ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۲۱ھ-۱۳۹۵ھ)



کتاب کا نام : **فتح اسلام**

مؤلف : **حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ علیہ**

تعداد صفحات : **۲۴۸**

قیمت برائے قارئین : **₹ ۶۵ روپے**

طبع اول : **۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء**

طبع جدید : **۱۴۳۲ھ / ۲۰۱۱ء**

ناشر : **مکتبۃ البشری**

مردھری محمد علی میر بشیل ٹرسٹ (رہسٹرو) کراچی پاکستان

Z-3، اوور سیزنگ لوز، گلستان جوہر، کراچی۔ پاکستان

فون نمبر : **+92-21-34541739, +92-21-37740738**

فیکس نمبر : **+92-21-34023113**

ویب سائٹ : **www.maktaba-tul-bushra.com.pk**

www.ibnabbasaisha.edu.pk

ای میل : **al-bushra@cyber.net.pk**

ملنے کا پتہ : **مکتبۃ البشری، کراچی۔ پاکستان +92-321-2196170**

دار الإخلاص، نزد قصبہ خوانی بازار، پشاور۔ +92-91-2567539

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ +92-91-2567539

مکتبۃ الحرمین، اردو بازار، لاہور۔ +92-321-4399313

المصباح، ۱۶- اردو بازار، لاہور۔ +92-42-7124656, 7223210

بلک لینڈ، سٹی پلازہ کالج روڈ، راولپنڈی۔ +92-51-5773341, 5557926

اور تمام مشہور کتب خانوں میں دستیاب ہے۔

مصنف العزیز کا تعارف

آپ کا نام محمد میاں اور آپ کے والد کا نام منظور احمد ہے۔ آپ دیوبند کے مشہور خاندان ”سادات رضویہ“ کے ایک عظیم چشم و چراغ ہیں۔ ۱۲/ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں دیوبند کے محلہ ”سرائے پیر زادگان“ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ نجیب الطرفین تھے۔ بچپن ہی سے آپ میں صلاحیت اور اچھی استعداد کے آثار نمایاں تھے۔ ابتدا میں آپ نے ضلع مظفر نگر کے ایک میاں جی سے قرآن پاک پڑھا۔ اس کے بعد فارسی، خلیل احمد نام کے ایک صاحب سے پڑھی، پھر آپ کے والد ماجد منظور احمد نے آپ کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی میں داخل کروادیا۔ یہ ۱۳۳۱ھ کی بات ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ فارسی کی تکمیل کے بعد درجاتِ عربی میں داخل ہوئے اور اس وقت کے چوٹی کے اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے دورہ حدیث پڑھا، ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد آپ نے مدرسہ حنفیہ آ رہ شاہ آباد (بہار) میں درس و تدریس کا شغل اختیار کیا اور تقریباً ساڑھے تین سال وہاں قیام فرمایا۔

اس کے بعد آپ مراد آباد تشریف لے آئے اور یہاں آپ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی سے منسوب ہو گئے اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۲۹ء میں تحریک آزادی ہند میں حصہ لینا شروع کیا اور متعدد بار قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں ناظم جمعیتِ علمائے ہند کی حیثیت سے دہلی میں مستقل قیام فرمایا۔ ۱۹۶۳ء میں جمعیتِ علمائے ہند کی نظامت سے دستبردار ہو کر مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی میں

درس حدیث کے لیے مامور ہوئے اور آخر عمر تک مدرسہ میں شیخ الحدیث اور صدر مفتی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۶ شوال ۱۳۹۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء بروز بدھ آپ نے وفات پائی۔ آپ نے اپنے پسپاںدگان میں چار لڑکے مولانا حامد میاں، خالد میاں، ساجد میاں اور شاہد میاں اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ آپ کے شاگردوں میں مفتی محمود رحمہ اللہ سب سے ممتاز اور مشہور ہیں۔

مختلف موضوعات پر لکھی ہوئی تقریباً نوے کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں، ان میں سے بعض کتابیں داخل درس ہیں اور بعض کو تاریخی مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔ چند مشہور کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

- (۱) علمائے ہند کا شاندار ماضی ۴ حصے
- (۲) علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۲ حصے
- (۳) جمعیت علمائے ہند کیا ہے؟ ۲ حصے
- (۴) سیرت مبارکہ
- (۵) صالح جمہوریت اور تعمیر جمہوریت
- (۶) عہد زریں ۲ جلدیں
- (۷) نور الاصباح شرح نور الایضاح (اردو)
- (۸) جمہوریت اپنے آئینے میں
- (۹) مشکوٰۃ الآثار و مصباح الابرار
- (۱۰) اسلام اور انسان کی حفاظت و عزت
- (۱۱) ہماری اور ہمارے وطن کی حیثیت اور ترک وطن کا شرعی حکم
- (۱۲) دین کامل
- (۱۳) حیات مسلم

- (۱۴) چاند تارے اور آسمان
 (۱۵) آنے والے انقلاب کی تصویر
 (۱۶) خطرناک نعرے اور جمعیتِ علمائے ہند کا صراطِ مستقیم
 (۱۷) تحریکِ شیخ الہند
 (۱۸) حیاتِ شیخ الاسلام
 (۱۹) اسیرانِ مالٹا
 (۲۰) مختصر تذکرہ خدماتِ جمعیتِ علمائے ہند ۴ حصے
 (۲۱) ہندوستان شاہانِ مغلیہ کے عہد میں
 (۲۲) سیاسی و اقتصادی مسائل اور اسلامی تعلیمات و اشارات
 (۲۳) مسئلہ تعلیم اور طریقہ تعلیم (معلمین کے لیے)
بچوں کے لیے:
 (۱) تاریخ اسلام ۳ حصے
 (۲) دینی تعلیم کے رسائل ۱۲ حصے
 (۳) روزہ و زکوٰۃ
 (۴) ہمارے پیغمبر ﷺ

علمائے کرام کی آراء

تاریخ اسلام کے متعلق اکابر اُمت و اخبارات کی شان دار آراء جو ہمیں موصول ہوئی ہیں، وہ اگر سب مفصل لکھی جائیں تو اس کے لیے یہ مختصری جگہ بالکل ناکافی ہے۔ اس لیے بعض اکابر و اخبارات کے چیدہ چیدہ کلمات ان کی آراء میں سے درج کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی پسندیدگی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے مدارس میں اس کو داخل درس کرا چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء تحریر فرماتے ہیں کہ ”تاریخ اسلام“ کو میں نے پڑھا، یہ کتاب یقیناً اس کا حق رکھتی ہے کہ اسکولوں، انجمنوں، مکاتیب وغیرہ میں اس کو داخل درس کیا جائے۔

حضرت مولانا محمد اعجاز علی صاحب استاذ فقہ و ادب دارالعلوم دیوبند جن کے امر و ارشاد کی بناء پر اور جن کے زیر ہدایت یہ سلسلہ تالیف ہوا ہے ایک بطور تقریط بسیط ملفوظ عالیہ کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں:

”اس رسالہ میں نہ تو متعلق الفاظ ہیں نہ عقول سافلہ سے بالا مضامین، سلاست مضامین کا یہ حال ہے کہ متوسط درجہ کا ذہن بچہ بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔ الفاظ میں اختصار ملحوظ رکھا ہے۔ جس قدر حالات ہیں اور جو بات لکھی ہے وہ مستحکم، میری رائے ہے کہ اس رسالہ کی ترویج مسلمانان ہند کا اولین فریضہ ہے، تبلیغی انجمنیں ان کے ذریعہ اپنے تبلیغی مقاصد میں بہ احسن وجوہ کامیاب ہو سکتی ہیں، اسلامی مدارس کو تو اس میں بہت زیادہ سرگرمی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔“

فہرست مضامین تاریخ اسلام

حصہ اول

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۵	نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق اور تعلقات	۱۱	نذر از مؤلف
		۱۲	عرض و التماس
۳۸	رسالت، نبوت، رسول کی تعریف اور ضرورت	۱۶	فن تاریخ
		۱۹	پیدائش مبارک
۴۱	حضور ﷺ کا نبی بنایا جانا	۲۱	سلسلہ نسب شریف
۴۲	تبلیغ اور دعوت اسلام	۲۲	رسول اللہ ﷺ کی پرورش
۴۵	کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ اور سچی آواز کی مخالفت	۲۶	حضور ﷺ کے دودھ پینے کا زمانہ
۴۹	ہجرت یا ہلاوطنی	۲۸	نبوت سے پہلے حضرت کی زندگی
۵۳	اسلام کی ترقی اور حضور ﷺ کا مقاطعہ	۳۰	شام کا دوسرا سفر
۵۶	دوبارہ ہجرت حبشہ	۳۲	حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی

فہرست مضامین تاریخ اسلام

حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۴	رحمتِ عالم ﷺ کی عام شفقت	۶۲	نذر از مؤلف
۱۲۶	۵۴ خونِ بے گناہ	۶۳	اعتذار
۱۳۰	۵۵ غزوہ خندق یا غزوہ احزاب	۶۵	تمہید: حق و باطل کی جنگ
۱۳۶	۵۶ امن و امان کا دور، ظلم و غرور کا خاتمہ، کفر کی شکست اور اسلام کی فتح، حدیبیہ کی صلح، بیعتِ رضوان، مسلمان ہونے کے لیے بادشاہوں کے پاس خطوط	۷۴	تبلیغ کے مدارج
		۷۵	مدینہ طیبہ میں اسلام
		۷۹	وطن سے جدائی، مکہ سے ہجرت اور مدینہ کی طرف روانگی
۱۴۲	دنیا کے بادشاہوں کے پاس دعوتِ اسلام کے خطوط	۸۷	مدینہ طیبہ، اہل مدینہ، ان کی جاں نثاری اور مدینہ کی مختلف جماعتیں
۱۴۵	۵۷ غزوہ خیبر، فتحِ فک اور عمرہ قضا	۹۴	جہاد
۱۴۸	۵۸ ایک نئے دشمن سے جنگ، اسلام کا آفتاب نصفِ النہار پر مروت کی جنگ	۱۰۲	اسلامی لڑائیاں
۱۵۰	فتحِ مکہ	۱۰۳	۱ کی بڑی بڑی لڑائیاں اور مشہور واقعات
۱۵۸	جنگِ خنین	۱۰۴	۲ قبلہ کی تبدیلی، غزوہ بدر وغیرہ
		۱۰۶	غزوہ بدر
۱۶۲	طائف کا محاصرہ، اسلام میں پہلی مرتبہ منہجیت کا استعمال	۱۱۶	۲ کے بڑے بڑے واقعات
		۱۱۷	۳ جنگِ غطفان و احد وغیرہ
۱۶۴	۹ غزوہ تبوک، وفود کی آمد، اللہ کے دین میں فوج در فوج داخلہ	۱۱۹	جنگِ احد
		۱۲۲	ایک وحشت ناک نظارہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۸	ذکر کیے ہوئے دستوں اور جنگوں کے متعلق اجمالی نقشہ	۱۶۷	انتظامات حج اور اعلان برأت
۱۹۰	اہم اور بڑے بڑے واقعات کی سنہ وار فہرست	۱۶۹	۱۰ھ مشرق میں دوبارہ آفتاب کا طلوع، حضور ﷺ کا حج
۱۹۱	ہجرت کے بعد	۱۷۵	۱۱ھ شام رسالت
۱۹۲	وفات النبی ﷺ	۱۷۶	فائدہ: علامہ مغلطائی کی تحقیق کے بموجب تمام غزوؤں اور دہشتوں کی سنہ وار فہرست

فہرست مضامین تاریخ اسلام

حصہ سوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حضور ﷺ کی خواتین جن کو مسلمان اپنی	۱۹۸	ہمارے پیارے آقا کا حلیہ شریف
۲۲۸	ماں کہتے ہیں، رضوان اللہ علیہا	۲۰۱	مہربنوت
۲۳۶	رشتہ دار اور لواحقین	۲۰۲	حضور ﷺ کے پیدائشی اوصاف
۲۳۶	آزاد کردہ غلام اور باندیاں	۲۰۳	حضور ﷺ کے اخلاق اور عادتیں
۲۳۷	خدمت کرنے والے	۲۰۹	اندرون خانہ
۲۳۷	موذن	۲۱۰	دربار خاص
۲۳۸	پہرہ دار	۲۱۱	دربار عام
۲۳۹	حدی خواں	۲۱۳	حضور ﷺ کا کلام اور طرز گفتگو
۲۳۹	محرر	۲۱۵	حضور ﷺ کے معاملات
۲۳۹	نجبا	۲۱۷	حضور ﷺ کے اخلاق کھانے پینے کے متعلق
۲۳۹	عشرہ مبشرہ	۲۱۹	راحت و آرام
۲۴۰	جانور، ہتھیار اور خانگی سامان وغیرہ	۲۲۰	پوشاک، لباس وغیرہ
۲۴۲	ہتھیار	۲۲۲	صفائی
۲۴۵	برتن وغیرہ	۲۲۳	نکاح

نذر

مشہور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی فروخت کے وقت جب کہ بڑے بڑے سرمایہ دار زر و جواہر کے خزانوں کا جائزہ لے رہے تھے، تو ایک بوڑھیا سوت کی کتنی اور پونی لے کر حاضر ہوئی تھی کہ بازارِ محشر میں اس کا نام بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے خریداروں کی فہرست میں درج ہو۔

ایک ناہنجار جس کو ”محمد میاں“ کہا جاتا ہے شاہِ دو عالم سرورِ کائنات رحمۃ اللعالمین افضل المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اقدس میں ایک ناچیز ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہے اور بہزار احترام و بہ صد ادب عرض رساں ہے۔

آنا نکہ خاک را بہ نظر کیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمتے بما کنند

خسرواں چہ عجب ار بنوازند گدا را

امید ہے کہ حلقہٴ بگوشانِ توحید اور امت کے نونہال آپ کی سوانحِ حیات سے بہرہ اندوز ہو کر سعادتِ داریں حاصل کریں اور اس سیاہ کار کیلئے موجبِ فلاحِ داریں ہو۔

ناکارۂ خلّاق

محمد میاں عفا اللہ عنہ

عرض والتماس

قرآن حکیم خدائے لَم یَزَلْ کا ازلی اور ابدی کلام ہے جو صرف ایک معجزہ نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں معجزوں کا مجموعہ ہے۔ اس مختصر سی کتاب نے ساڑھے تیرہ برس کے عرصہ میں دنیا پر پوری طرح واضح کر دیا کہ اگر کسی نبی کی تصدیق کے لیے زندہ معجزہ دیکھنا ہو تو وہ یہی قرآن کریم ہے، جس کا ہر ہر شوشہ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اسی طرح محفوظ ہے، جیسے خدا کے آسمان کا سورج اور چاند۔

نوع انسان کی عام نظریں اگر اپنے اندر متانت، سنجیدگی اور انصاف پسندی کی روشنی رکھتی ہیں تو بیان کردہ حقائق سے سرمو بھی اختلاف نہ کریں گی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کی طرح دائرۂ رسالت کے اس مرکز وحید کی زندگی بھی ہزاروں معجزوں کا خزانہ ہے، جس پر یہ مقدس کتاب نازل ہوئی تھی۔ اگر کتاب اللہ کی ہر ہر آیت مستقل معجزہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کی حیات مقدس کا ہر کارنامہ بھی مستقل آیت ہے، جس کی نظیر سے دنیا سرا سرقاصر ہے۔

اگر اللہ کی کتاب کا ہر نقطہ اور شوشہ آج تک دنیا والوں کی دست بُرد اور ترمیم و تنسیخ سے بالکل محفوظ ہے تو رسول اللہ ﷺ کی حیات پاکیزہ کا ہر ہر سانحہ اور واقعہ بھی دنیا کے سامنے آئینہ بنا ہوا ہے۔

قرآن پاک کی آیات پر غور و فکر کے بعد اگر کوئی مبصر آخری فیصلہ کرتا ہے کہ لَا تَنْقُضِ عَجَابُہُ ”اس کے عجائبات ختم نہیں ہو سکتے۔“ تو رسول اللہ ﷺ کی معصوم زندگی اور معجزانہ اخلاق کا مطالعہ کرنے والا بھی انتہائی فیصلہ یہی صادر کرتا ہے کہ لَا تَنْتَهِیْ غَرَائِبُہُ ”اس کے غرائب کی کوئی انتہا نہیں۔“

حق تو یہ ہے کہ حیات مقدس کی مکتل سوانح کا فرض نہ تو آج تک کسی سے ادا ہو سکا اور نہ بشری طاقت کے امکان میں ہے کہ قیامت تک اس فریضہ کی تکمیل سے شُبک دوشی

حاصل کر سکے، البتہ تفسیر قرآن کی طرح شیدائیانِ جمالِ اقدس نے بھی گاہ بگاہ قلم اٹھایا اور اپنے طبعی مذاق یا فطری افتاد کے بموجب مختصر یا ضخیم جلدیں لکھ ڈالیں۔ مگر واقعہ یہ تھا:

دریں وسط کشتی فروشد ہزار کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

دفتر تمام گشت و پاپاں رسید عمر ماہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

شکوہ شکایت: سیرت نگاروں کی حالت پھر بھی غنیمت ہے کہ انہوں نے جادہ پیمائی کا قصد تو کیا، یہ دوسری بات ہے کہ منزل بعید تھی اور آخری مرحلہ پر رسائی ناممکن، لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

مگر عام مسلمانوں کے مذاق کی حالت بہت زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ دنیا اپنے مُقتدا اور پیشوا کے حالات اُجڑے ہوئے شہروں سے برباد شدہ آثارِ قدیمہ سے تلاش کر رہی ہے، مگر تاریخیت کی کوتاہی کے باعث وہ سراب ہی پر تھک کر رہ جاتی ہے، جہاں چشمہ کا کہیں پتا نہیں ہوتا، لیکن اسکے برعکس یہاں چشمہ ان کے لبوں کے پاس خود آ رہا ہے، وہ تشنہ بھی ہیں، مگر افسوس! وہ آبِ حیات کی شناخت سے بالکل ناواقف، ان کے ہاتھوں کے سامنے حیاتِ مقدس کے عربی، فارسی، اردو، مختصر، مُطوّل مختلف موضوع پر سینکڑوں رسالے موجود ہیں۔ مگر گویا وہ رسالے کیا ہیں، آفتاب ہیں جن کو چشمِ شہر دیکھ نہیں سکتی۔

سیہ بخانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل کہ خضر از آبِ حیاں تشنہ لب آرد سکندر را
میلاد شریف کے ایجاد کی غرض و غایت یا وجوہ و اسباب کیا تھے؟ ان سے بحث کرنا میرے فرائض میں داخل نہیں۔ لیکن رفتارِ زمانہ اور اختلافِ طبائع نے جو شکل پیدا کر دی ہے اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ ”کتابِ سعادت“ کے صرف خوب صورت نائٹل پر ایک سطحی نظر ڈال کر خوش ہو لیا جائے اور اس کے کیمیادی اکسیر نسخوں کی طرف مطلقاً توجہ نہ کی جائے۔

ضرورت محسوس کی گئی کہ بچوں کو ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں حضور ﷺ کی سوانح پر ایک نظر دلوا دی جائے، تاکہ آغازِ زندگی کا یہ چمکا ممکن ہے کسی مفید نتیجہ تک ان کو پہنچا سکے۔

اس مبارک مقصد کی تکمیل کی طرف بھی مصنفین کے قلموں نے روانی اختیار کی۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے ان رسائل میں مشکلات کا بہانہ لینا شروع کیا، نہ معلوم یہ واقعہ تھا یا بہانہ (جو طبیعتوں کی حیلہ سازی ہے)؛ بہر حال ضرورت محسوس ہوئی کہ اس آخری عذر کا بھی ازالہ کیا جائے اور ضروری معلوم ہوا کہ سوال و جواب کی شکل میں ایک مختصر رسالہ کا اور اضافہ کیا جائے جو زبان اور مضامین کے لحاظ سے دقتوں سے بالکل مُبرّزا ہو۔ مگر یہ مقصد جس قدر آسان تھا، اسی قدر اسکی تکمیل کیلئے اردو زبان دانی اور محاورات سے واقفیت کی بھی ضرورت تھی تاکہ عبارت کی سلاست، الفاظ کی موزونیت کیساتھ، دلچسپی بھی حاصل ہو سکے۔ یہ ناکارہ کسی طرح بھی اس مقصد کا اہل نہ تھا، مگر حضرت قبلہ سیدی وسندی استاذ العلماء جناب مولانا الحاج مولوی حافظ محمد اعجاز علی صاحب مدظلہ العالی، استاذ فقہ وادب و صدر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، اذام اللہ شرفہا نے مجبور فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی تکمیل کی کوشش کی جائے۔

واجب الاحترام مشفق بزرگ کا ارشاد گرامی واجب التعمیل تھا، اگرچہ تعمیل کا زمانہ ٹھیک وہی تھا کہ جب ناکارہ کے ہوش وحواس اندرونی خانگی اور بیرونی سیاسی، ملکی اور تعلیمی مشکلات کے آماج گاہ بنے ہوئے تھے، ایک گھنٹہ کا کام دو روز میں بھی ہونا مشکل تھا، لیکن تاہم جس قدر ممکن ہوا مشکلات پر غالب آنے کی کوشش کی، مگر ایک آخری مشکل کو کسی طرح حل نہ کر سکا، وہ سیرت کی مَطْوَل کتابوں تک رسائی تھی۔

بہر حال جس قدر ممکن ہوا متداولہ کتب مثلاً صحاح ستہ، شمائل ترمذی، جمع الوسائل، شرح شمائل، زاد المعاد، درون التاریخ، دَوْن العرب والاسلام، سرور المحزون وغیرہ سے ضروری ضروری اقتباس لے کر سرورِ کائنات ﷺ کی سیرت مبارکہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، باقی یہ کہ ان پریشانوں کے جھگڑے میں خاکسار کی کوشش کہاں تک کامیاب رہی، اس کا فیصلہ حضرات ناظرین کرام کے سپرد ہے۔

بندہ ناچیز محمد میاں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا بڑا مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے

مَا لِكَ يَوْمَ الدِّينِ ۝ أَيَاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ

مالک ہے قیامت کے دن کا ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی

نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

مدد چاہتے ہیں بتلا دیجیے ہم کو سیدھا راستہ

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ

راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے نہ

الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۝

ان لوگوں کا جن پر آپ کا غضب نازل کیا گیا ہے۔

فن تاریخ

سوال: یہ کتاب جو تم پڑھ رہے ہو کس فن میں ہے؟

جواب: فن تاریخ میں۔

سوال: تاریخ کس کو کہتے ہیں؟

جواب: تاریخ اس علم کا نام ہے جو گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے۔

سوال: علم تاریخ کس کے لیے مفید ہے؟

جواب: ہر سمجھ دار کے لیے۔

سوال: تاریخ کا مقصد اور فائدہ کیا ہے؟

جواب: جو حالات موجودہ زمانہ میں پیش آرہے ہیں ان کو گزرے ہوئے زمانہ کی حالتوں سے ملا کر نتیجہ نکالنا اور اس پر عمل کرنا۔

سوال: اس کی مثال پیش کرو۔

جواب: مثلاً کسی زمانہ میں رعیت بادشاہ کے مخالف ہے اور فرض کرو کہ مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہ ظلم کرتا ہے تو یہ دیکھنا کہ جب کبھی بادشاہ نے ظلم کیا تو رعیت نے کس طرح مقابلہ کیا اور پھر نتیجہ کیا ہوا۔

سوال: اس غور سے بادشاہ اور رعیت کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

جواب: بادشاہ کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ سمجھ جائیگا کہ ظلم کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ نتیجہ بادشاہت کی تباہی ہے تو وہ ظلم چھوڑ کر رعیت کو خوش کرنے کی کوشش کریگا اور رعیت کے لیے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ گزشتہ حالات سے اپنے لیے جنگ کا راستہ معلوم کر لے گی اور مصائب پر صابر اور مستقل رہے گی، جو اسکے لیے کامیابی کی کنجی ہوگی۔

خلاصہ

یہ کتاب فن تاریخ میں ہے۔ اور جو فن گزرے ہوئے اور موجودہ لوگوں کے حالات بتائے، اس کو فن تاریخ کہتے ہیں اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ گزرے ہوئے حالات سے موجود حالات کو ملا کر سبق حاصل کیا جائے۔

سوال: اس کتاب میں جس کو تم پڑھ رہے ہو کس کے حالات بیان کیے جائیں گے؟

جواب: اس پاک نبی اور بزرگ پیشوا کے جن کا نام نامی ”محمد“ ﷺ ہے۔ قربان ہوں آپ پر ہمارے ماں باپ اور ہماری جانیں۔

سوال: آپ کہاں پیدا ہوئے تھے اور کہاں کے رہنے والے تھے؟

جواب: مکہ معظمہ میں حضور ﷺ پیدا ہوئے اور یہی شہر آپ کا وطن تھا۔

سوال: مکہ کہاں ہے؟

جواب: ملک عرب میں۔

سوال: عرب کہاں ہے؟ اس کی سمت اور کچھ خصوصیات بیان کرو۔

جواب: عرب ایک ملک ہے۔ ہم سے بہت دور پچھتم (مغرب) کی طرف جہاں حاجی حج کرنے جایا کرتے ہیں، اس ملک میں ریتیلے میدان بہت زیادہ ہیں، کہیں کہیں چشمے بھی ہیں، کھجور، انجیر وغیرہ بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح بکریاں اور اونٹ بہت ہوتے ہیں، پہلے زمانہ میں ان کی اون سے کپڑے اور کھل بنایا کرتے تھے اور ان ہی کے اون یا چمڑے کے خیمے بنا لیتے تھے۔

سوال: مکہ اور کعبہ میں کیا فرق ہے اور مسجد حرام کس کو کہتے ہیں؟

جواب: مکہ تو شہر کا نام ہے اور اس شہر میں ایک جگہ ہے جس کو کعبہ کہتے ہیں۔ وہ کوٹھڑی کی طرح بنی ہوئی ہے، تقریباً بارہ پندرہ گز لمبی چوڑی، اسی کو ”بیٹ اللہ“ کہتے ہیں اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور اسی کے گردا گرد سات مرتبہ گھومنے کا نام طواف ہے۔ اس کے گردا گرد چار دیواری میں گھرا ہوا بہت بڑا صحن ہے اس کو

مسجد حرام کہتے ہیں۔

سوال: مکہ کو کس نے آباد کیا اور اس میں کون لوگ رہتے ہیں؟

جواب: مکہ کی سر زمین میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد وہیں رہ پڑی اور حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ ہی میں قبیلہ ”بنو جرہم“ کے کچھ آدمی بھی آ کر اس سر زمین میں رہنے لگے تھے۔ غرض مکہ کے زیادہ تر رہنے والے ان ہی کی اولاد میں سے تھے۔

سوال: بنو جرہم کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: اسی علاقہ کے قریب جہاں آج کل مکہ شریف آباد ہے۔

سوال: خانہ کعبہ کس نے بنایا تھا؟

جواب: سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ مگر وہ منہدم ہو گیا تھا، اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پھر خاص اسی جگہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خدا تعالیٰ کے حکم سے خدا کی عبادت کرنے کیلئے بنایا تھا۔

خلاصہ

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جن کے حالات اس کتاب میں بیان کیے جائیں گے، مکہ کے رہنے والے تھے، قریشی خاندان سے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے۔ اور مکہ ایک شہر ہے عرب میں۔ اسی جگہ وہ مشہور مقام ہے جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں۔ مکہ میں سب سے پہلے بسنے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ ہیں۔ قبیلہ بنو جرہم کے کچھ لوگ بھی اسی زمانہ میں آئے ان ہی کی اولاد مکہ میں رہتی ہے۔ ان ہی کی اولاد سے فہر یا نضر بن کنانہ ہیں جن کی اولاد کو ”قریش“ کہتے ہیں۔

مکہ اور کعبہ اور مسجد حرام میں فرق یہ ہے کہ مکہ شہر کا نام ہے۔ کعبہ اس میں ایک عمارت ہے اور اس کے گرد گرد صحن کا نام مسجد حرام ہے۔ کعبہ کی تعمیر کرنے والے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہیں۔

پیدائش مبارک

سوال: حضور ﷺ کی پیدائش کا دن اور تاریخ و مہینہ بتاؤ۔

جواب: ۹ ربیع الاول، یومِ دو شنبہ (پیر)، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۰ء مطابق یکم جیٹھ
سمت ۶۲۸ ہجری۔

سوال: حضور ﷺ کی پیدائش کا وقت کیا تھا؟

جواب: صبح کی نماز کے وقت یعنی صبح صادق کے بعد اور آفتاب نکلنے سے پہلے۔

سوال: حضرت ﷺ کی پیدائش کون سے سال میں ہوئی؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پانچ سو ستر برس گزرنے کے بعد ۵۷۰ء میں
جس سال ”اصحابِ فیل“ کا واقعہ ہوا تھا۔

سوال: ”اصحابِ فیل“ کون تھے اور ان کا واقعہ کیا تھا؟

جواب: حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے ”ابرہہ“ نامی یمن کا گورنر تھا، اس کو یہ سوچا کہ
خانہ کعبہ کو معاذ اللہ! منہدم کر دے تاکہ اس کے یہاں کا نقلی کعبہ آباد ہو جو اس
نے صنعاء یمن میں بنایا تھا۔ چنانچہ بہت سا لشکر جس میں سیکڑوں ہاتھی تھے لے کر
مکہ پر چڑھائی کر دی۔ جب خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ میں داخل ہوا
تو اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کے ذریعہ اس کے سارے لشکر کو ہلاک کر دیا۔ اصحابِ
فیل کے معنی ہیں ”ہاتھیوں والے“ ان سے یہی لوگ مراد ہیں۔

سوال: ابو زغال کون ہے اور اس کی قبر پر لوگ پتھر کیوں پھیلتے ہیں؟

جواب: ابو زغال قریش ہی کا ایک آدمی تھا۔ اس نے اپنی برادری سے خیانت اور دغا

۱۔ تاریخ ذوال عرب و اسلام۔ ۲۔ رحمة للعالمین: جلد ۱، ص ۳۳ (مطبوعہ دارالاشاعت کراچی) اور مشہور یہ بھی ہے کہ آپ کی پیدائش
کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے اور بعض ۸ ربیع الاول اور بعض ۳ ربیع الاول بھی کہتے ہیں، باقی اس میں اتفاق ہے کہ ہر کا دن تھا۔

کر کے ”ابرہہ“ کو راستہ بتایا تھا۔ خدا نے اصحاب فیل کے ساتھ سب سے پہلے اسے مار ڈالا۔ اب اس کی قبر پر پتھر پھینکتے ہیں تاکہ یاد رہے کہ قومی غدار کی یہ سزا ہے۔

سوال: چڑیوں نے ان کو کیسے تباہ کر دیا؟

جواب: چڑیاں اپنی چونچوں سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پھینکتی تھیں، جو پتھروں کی طرح ان کے سروں میں گھس کر تمام بدن کو چیرتی ہوئی پار ہو جاتی تھیں، اور جس کے لگتی تھیں اس کو ہلاک کر دیتی تھیں۔

سوال: تعجب ہے کہ چڑیوں کی چونچوں میں اتنی طاقت کیسے آگئی؟

جواب: جیسے بندوق کے گھوڑے میں جب ہم چھوٹے سے بے جان لوہے سے اتنا زور کا کام لے سکتے ہیں تو کیا تعجب ہے کہ خدا ایک جانور کی چونچ سے اتنا کام لے لے۔

سوال: ان مرنے والوں میں ”ابرہہ“ گورنر یمن بھی تھا یا اس کو کچھ اور سزا دی گئی؟

جواب: ”ابرہہ“ فوراً ہی نہیں مر گیا بلکہ اس کا بدن گل کر ایک ایک انگلی گر گئی۔ اس کو صنعاء لے گئے اور بری طرح وہیں ہلاک ہوا۔

سوال: حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت کیا ہوا؟

جواب: آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے ایک نور دیکھا جس سے مغرب اور مشرق روشن ہو گئے تھے۔ فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار برس سے ایک ”آتش کدہ“ میں برابر جل رہی تھی، جس کی وہ لوگ پوجا کیا کرتے تھے۔ فارس کے بادشاہ ”کسریٰ“ کے محل میں زلزلہ آگیا، جس سے چودہ کنگرے گر پڑے اور اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جو بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

سوال: یہ کیسے ہوا؟

جواب: خدا تعالیٰ کے حکم سے، جس کے حکم سے آگ جلتی ہے، اور پانی بہتا ہے، نظر دیکھتی ہے اور جس کے حکم سے دنیا کی تمام چیزیں قائم ہیں۔

خلاصہ

۲۲ مارچ ۱۷۵۷ء یعنی جس سال اصحاب فیل کا واقعہ ہوا۔ اسی سال ۹ ربیع الاول کو حضور ﷺ پیدا ہوئے، خدا نے حضور ﷺ کی پیدائش کے وقت عجیب عجیب واقعات دکھا کر اپنی شان دکھائی۔ واقعہ اصحاب فیل کے سلسلہ میں اور غال نے اپنی قوم سے دعا کر کے یمن کے گورنر کی مدد کی تھی۔ خدا نے سب سے پہلے اس کو ہلاک کر دیا۔ لوگوں نے اس کی قبر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے تاکہ یاد رہے کہ جو شخص اپنی قوم سے غداری کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت برسا کرتی ہے۔

سلسلہ نسب شریف

سوال: حضور ﷺ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کے نام نامی کیا تھے؟

جواب: والد ماجد کا نام ”عبداللہ“ تھا اور والدہ محترمہ کا نام ”آمنہ“ تھا۔

سوال: حضور ﷺ کا دادھیالی سلسلہ نسب کیا تھا؟

جواب: محمد بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبد مناف، بن قصی، بن کلاب، بن مرہ، بن کعب، بن لوی، بن غالب، بن فہر، بن مالک، بن نصر، بن کنانہ، بن خزیمہ، بن مدرکہ، بن الیاس، بن مضر، بن نزار، بن معد، بن عدنان۔

سوال: آپ کا نھیالی سلسلہ نسب کیا تھا؟

جواب: محمد بن آمنہ بنت وہب، بن عبد مناف، بن زہرہ، بن کلاب، کلاب پر پہنچ کر آپ کا مادری اور پدری سلسلہ نسب ایک ہو جاتا ہے۔

سوال: حضور ﷺ کی دادی اور نانی کے نام کیا تھے اور کس خاندان کی تھیں؟

جواب: دادی کا نام ”فاطمہ“ اور نانی کا نام ”برہ“ تھا، حضور ﷺ کی تمام دادیاں اور

۱۔ باپ کی طرف سے ۲۔ بن کے معنی بیٹے ۳۔ ماں کی طرف سے ۴۔ بنت کے معنی بیٹی

نایاں خاندان قریش کی شریف اور معزز گھرانوں کی صاحبزادیاں تھیں۔

سوال: آپ کے گھرانے (کنبہ) کو کیا کہا جاتا تھا؟

جواب: بنو ہاشم، یعنی ہاشم کی اولاد۔

سوال: آپ کے قبیلہ (برادری) کا نام کیا تھا؟

جواب: قریش۔

سوال: حضور ﷺ کے کوئی بہن بھائی تھا یا نہیں، اور چچا، تائے، پھوپھیاں کتنی تھیں؟

جواب: حضور ﷺ گویا ”دُرِّ یتیم“ تھے۔ ماں باپ کے اکلوتے تھے۔ حضور ﷺ کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپھیاں۔^۱

سوال: حضور ﷺ کا نام کس نے رکھا تھا اور یہ نام پہلے بھی ہوا کرتا تھا یا نہیں؟

جواب: حضور ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے حضور ﷺ کا یہ نام رکھا تھا۔

خلاصہ

حضور ﷺ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ تھا۔ والدہ کا نام آمنہ۔ دونوں کا سلسلہ نسب کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔ حضور ﷺ بنو ہاشم میں سے تھے۔ قبیلہ قریش سے حضور ﷺ کے نو یا بارہ چچا تھے اور چھ پھوپھیاں۔

رسول اللہ ﷺ کی پرورش

سوال: حضور ﷺ کے والد ماجد نے متی عمر پائی اور ان کی وفات کب ہوئی؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والد ماجد کی عمر کل ۲۴ برس ہوئی اور حضور ﷺ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے وفات پا چکے تھے۔

۱۔ زاد المعاد: ۴۴/۱ (دار الکتب العلمیہ - بیروت) ۷ عربوں میں پہلے تو یہ نام نہیں رکھا جاتا تھا، البتہ تورات کی یہ پیشین گوئی کہ ”محمد“ کے نام سے ایک نبی آنے والے ہیں سن کر بعض عربوں نے یہ نام رکھا، جن افراد کا نام ”محمد“ رکھا گیا ان میں محمد بن عدی سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ (منابل الشفا ومنابل الصفا تحقیق شرف المصطفیٰ: ۱۱/۱۹۵) از معصیح

سوال: حضور ﷺ کے والد ماجد کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: مدینہ منورہ میں۔

سوال: مدینہ میں وفات کیوں ہوئی؟

جواب: حضرت ﷺ کے والد ماجد کی نھیال مدینہ میں تھی۔ بنی نجار کے خاندان میں حضرت کے والد تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے تھے، راستے میں مدینہ میں ٹھہر گئے، اتفاق سے بیمار پڑ گئے اور وہیں وفات ہو گئی۔

سوال: حضرت ﷺ کے والد نے کیا ترکہ چھوڑا؟

جواب: پانچ اونٹ، ایک باندی جن کا نام ”ام ایمن“ تھا۔

سوال: آپ کی والدہ ماجدہ نے کب تک آپ کی پرورش کی؟

جواب: حضرت ﷺ کی عمر کے چوتھے یا چھٹے سال تک، پھر ان کی وفات ہو گئی۔

سوال: حضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی وفات کہاں ہوئی؟

جواب: ابواء گاؤں میں۔

سوال: ابواء کہاں ہے؟

جواب: مکہ اور مدینہ کے درمیان میں۔

سوال: ابواء کیوں گئی تھیں؟

جواب: مدینہ طیبہ میں بنی نجار کے خاندان میں اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھیں۔

سوال: والدہ کی وفات کے بعد آپ کی پرورش کا ذمہ دار کون ہوا؟

جواب: حضرت ”ام ایمن“ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو حضور ﷺ کی باندی تھیں، حضور ﷺ کی خدمت شروع کی اور حضرت کے دادا عبدالمطلب آپ کے ولی اور ذمہ دار تھے۔

سوال: عبدالمطلب کی پرورش میں حضور ﷺ کتنے عرصہ رہے؟

جواب: تقریباً دو سال، پھر عبدالمطلب کی بھی وفات ہو گئی۔

سوال: حضور ﷺ کی عمر اس وقت کیا تھی اور عبدالمطلب کی کتنی؟

جواب: حضور ﷺ کی عمر مبارک ۸ سال ۱۰ ماہ ۱۰ دن اور عبدالمطلب کی عمر ۴۰ سال ۷

سوال: عبدالمطلب کی حیثیت مکہ میں کیا تھی؟

جواب: روپیہ پیسہ تو کچھ زیادہ نہ تھا، لیکن مکہ معظمہ کے بڑے سرداروں میں سے بہت بڑے معزز آدمی تھے۔

سوال: عبدالمطلب کے بعد حضور ﷺ کا ذمہ دار کون ہوا؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا ابوطالب، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ماجد۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کو ”امی“ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ”امی“ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو لکھنے پڑھنے سے واقف نہ ہو، چونکہ حضور ﷺ میں یہ بات تھی، اس وجہ سے حضور ﷺ کا لقب بھی امی ہو گیا۔

سوال: آپ امی کیوں رہے اور بظاہر اس میں خدا کی کیا حکمت تھی؟

جواب: اول تو عرب میں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہی نہ تھا۔ مکہ کے اتنے بڑے شہر میں بھی کل پانچ سات آدمی ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسکے علاوہ حضور ﷺ کی تربیت کرنے والے وفات پاتے رہے۔ آپ نے یتیمانہ پرورش پائی، اس وجہ سے حضور ﷺ امی رہے اور صحیح علم تو خدا کو ہے۔ آپ کو امی رکھنے میں بظاہر چند فائدے معلوم ہوتے ہیں: (۱) تمام دنیا کو ادب اور تہذیب سکھانے والے حضور ﷺ ہوں، اور حضور ﷺ کا استاذ صرف خدا ہو، کوئی انسان نہ ہو کہ وہ یہ کہہ سکے کہ میرا سکھایا ہوا ہے۔ (۲) جس طرح پرورش کے سلسلہ میں حضور ﷺ

کو ماں باپ کے احسان سے آزاد رکھا گیا، اسی طرح تعلیم اور روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھی کسی کا احسان حضور ﷺ پر نہ ہو۔ (۳) یہ بھی خیال نہ کیا جاسکے کہ فلاں شخص حضور ﷺ کا استاد تھا تو حضور ﷺ سے زیادہ عالم ہوگا، معاذ اللہ! (۴) جب نبی کریم ﷺ پر قرآن پاک نازل ہو تو کوئی یہ وہم بھی نہ کر سکے کہ حضور ﷺ کا بنایا ہوا ہوگا۔ (۵) جب حضور ﷺ دنیا کو عقل مندی اور دانائی، تہذیب اور ادب کی تعلیم فرمائیں، تو کوئی یہ خیال نہ کر سکے کہ پہلی کتابیں دیکھ کر آپ اس قسم کی تعلیمات دے رہے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کو مصیبتوں میں کیوں مبتلا کیا گیا؟

جواب: قاعدہ ہے کہ اللہ کے خاص بندوں پر زیادہ سختیاں کی جاتی ہیں تاکہ ان کو آزمایا جائے کہ وہ ان مصائب میں خدا کی رضا مندی کا کہاں تک خیال رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ چونکہ سب سے زیادہ بزرگ اور خاص بندے تھے اس وجہ سے آپ پر زیادہ سختیاں اور مصیبتیں نازل ہوئیں، اور گویا آپ نے بہت سے امتحانات میں بہت سی سندیں حاصل کیں، اور قاعدہ ہے کہ جس کے پاس بہت سی سندیں ہوتی ہیں، اس کی قدر بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

خلاصہ

حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے مدینہ میں حضور ﷺ کے والد کی وفات ہو چکی تھی۔ پھر جب چار یا چھ سال عمر ہوئی تو والدہ نے انتقال فرمایا اور پرورش ام ایمن اور عبدالمطلب کے سپرد ہوئی، مگر جب عمر مبارک آٹھ برس دو ماہ دس دن کی ہوئی تو ایک سو چالیس برس کی عمر پا کر عبدالمطلب کا بھی انتقال ہو گیا اور پرورش ابو طالب کے سپرد ہوئی۔

حضور ﷺ کے دودھ پینے کا زمانہ

سوال: حضور ﷺ نے سب سے پہلے کس کا دودھ پیا، اور پھر کس کس کا؟ تفصیل وار بیان کرو۔

جواب: سب سے پہلے حضور ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ نے اور پھر چند دن بعد ابو لہب کی باندی ”ثویبہ“ نے دودھ پلایا، اس کے بعد یہ دولت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں آئی۔

سوال: ثویبہ اس وقت آزاد تھیں یا باندی؟

جواب: آزاد تھیں۔

سوال: کب آزاد ہوئیں اور کس طرح؟

جواب: جب ثویبہ نے اپنے آقا ابو لہب کو حضور ﷺ کے پیدا ہونے کی خبر دی تو ابو لہب نے بھیجے کے پیدا ہونے کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔

سوال: حضور ﷺ کو دوسری عورتوں کا دودھ کیوں پلایا گیا؟

جواب: عرب کے بڑے لوگوں کا عام قاعدہ تھا کہ بچوں کو دودھ پلانے کے لیے قرب و جوار کے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے، تاکہ جسمانی صحت میں ترقی ہو اور زبان بھی صاف ہو جائے، کیونکہ شہروں کی زبان باہر کے آدمیوں کے ملنے جلنے سے صاف نہیں رہا کرتی۔

سوال: حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ تک کیسے پہنچیں؟

جواب: چوں کہ اس قبیلہ کی عورتیں عام طور سے قریش کے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں اور سال میں دو مرتبہ اسی غرض سے مکہ آیا کرتی تھیں کہ جو بچے پیدا ہوئے ہوں ان کو دودھ پلانے کیلئے لے آئیں۔ اسی وجہ سے اپنے قبیلہ کی عورتوں کے ساتھ

حلیمہ رضی اللہ عنہا بھی طائف سے چل کر مکہ آئی تھیں، پھر چوں کہ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے دودھ کم تھا، لہذا خوش حال لوگوں کے بچوں کو تولے نہ سکیں، حضرت کی خدمت کی سعادت ان کے ہاتھ لگ گئی۔ کیونکہ حضرت رضی اللہ عنہا بھی یتیم تھے، زیادہ انعام و اکرام کی توقع نہ تھی۔

سوال: اس یتیم موتی یعنی ”حضرت“ کے قدموں کی بدولت کیا کیا برکتیں حلیمہ رضی اللہ عنہا پر اور ان کے قبیلہ والوں پر ظاہر ہوئیں؟

جواب: بہت کچھ، چند یہاں درج کی جاتی ہیں: (۱) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ اتنا بڑھ گیا کہ ان کا بچہ جو پہلے بھوکا رہا کرتا تھا، اب حضرت کے ساتھ وہ بھی شکم سیر ہونے لگا۔ (۲) اونٹنی جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا خدا کے حکم سے اتنا دودھ دینے لگی کہ سب کو کافی ہوتا تھا۔ (۳) حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ایک خچر پر سوار ہو کر آئی تھیں، جو بہت کمزور اور دبلا تھا اور سب سے پیچھے چلتا تھا، لیکن واپسی میں حضور ﷺ کے قدموں کی بدولت خدا کے حکم سے ایسا چست اور تیز ہو گیا کہ سب کے آگے چلنے لگا۔ (۴) جب مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ قحط کے باعث بکریاں بالکل سوکھ گئی تھیں، دودھ خشک ہو گیا تھا، حضور ﷺ کی بدولت ان میں برکت ہو گئی اور پورا دودھ دیئے لگیں۔

سوال: اس عرصہ میں کیا کوئی عجیب واقعہ بھی پیش آیا؟

جواب: دو سال بعد جب دودھ چھڑا دیا گیا تو حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کو مکہ لے گئیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیں، مگر وہاں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ حلیمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی برکتوں کا لطف پہلے اٹھا چکیں تھیں۔ آپ وہاں کی خرابی کے بہانہ سے واپس لے آئیں۔ کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ عجیب واقعہ یہ دیکھا گیا کہ دو فرشتے انسان کی شکل میں حضور ﷺ کے سامنے آئے اور

حضور ﷺ کا ننھا سا سینہ اور شکم مبارک چاک کیا۔ قلب مبارک کو نکالا اور نور سے بھر دیا۔ حضور ﷺ اس وقت دودھ شریک بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے بھائی نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر دی اور پھر حضور ﷺ نے تمام قصہ بیان کیا، حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کو خوف پیدا ہوا اور حضور ﷺ کو مکان پر پہنچا گئیں۔

خلاصہ

حضور ﷺ کو چند دن آپ کی والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا، پھر ثوینہ نے اور پھر مستقل طور سے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو یہ خدمت سپرد ہوئی، دو سال دودھ پلایا گیا، اور اس عرصہ میں حضور ﷺ کی بدولت بہت کچھ برکتیں ظاہر ہوئیں، جن میں سے تین چار کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

نبوت سے پہلے حضرت کی زندگی

سوال: لڑکپن میں آپ کے اخلاق کیا تھے؟

جواب: آپ ذہین، سمجھ دار، نیک طبیعت، صابر اور خود دار تھے، سنجیدگی اور متانت کے گویا پتلے تھے۔ کھیل کود کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ حیا کی یہ حالت تھی کہ کبھی آپ کا ستر نہیں کھل سکتا تھا، بلکہ ایک مرتبہ جب اتفاقاً ستر کھل گیا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ کھانا کھانے کے وقت بچے شور و شغب کیا کرتے تھے، مگر آپ خاموشی سے بیٹھے رہتے۔ جب آپ کے چچا ابو طالب بلا تے اس وقت حضور ﷺ دسترخوان پر تشریف لا کر کھانا کھاتے۔ جیسا کھانا ہوتا اس پر کبھی ناک نہ چڑھاتے۔ سچائی، امانت داری، ادب، تعظیم، تہذیب گویا آپ کی گھٹی میں پڑی تھیں یا یہ کہو کہ قدرت کے ہاتھوں نے تمام اچھی باتوں کی گویا ایک تصویر بنائی تھی۔ جب سے حضور ﷺ سمجھ دار ہوئے اسی وقت سے قوت بازو سے کہا کہ سر کرنے کا شوق تھا، کسی دوسرے پر اپنا بوجھ ڈالنا ہرگز گوارا نہ ہوتا تھا۔ بچو! تمہارا

فرض ہے کہ تم بھی یہی طریقے اختیار کرو۔

سوال: سمجھ دار ہونے پر حضور ﷺ کے بسر کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور ﷺ نے مزدوری پر کمریاں چرا کر بھی بسر کی ہے اور تجارت بھی کی ہے۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے نبوت سے پہلے کوئی سفر بھی کیا؟

جواب: دو سفروں کا تذکرہ عام طور سے کیا جاتا ہے۔

سوال: آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کیوں؟

جواب: دونوں سفر شام کے ہوئے اور تجارت کے سلسلہ میں۔

سوال: شام کا پہلا سفر کب ہوا، اور کیا شکل ہوئی؟

جواب: جب حضور ﷺ کی عمر بارہ سال دو ماہ دس دن کی ہوئی تو آپ کے چچا ابوطالب

تجارت کی غرض سے شام جانے لگے۔ حضور ﷺ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔

سوال: اس سفر کا خاص واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: ”بصری“ ایک مقام کا نام ہے، جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک راہب (یعنی

عیسائی سادھو) قافلہ میں آیا۔ اور جب پرانی کتابوں کے موافق حضور ﷺ

کے چہرے سے نبی آخر الزماں کی علامتیں ہو ہو ٹھیک پائیں تو ابوطالب سے

کہا: تمہارے بھتیجے وہی آخری نبی ہیں، جن کا تذکرہ ”تورات“ اور ”انجیل“

وغیرہ آسمانی کتابوں میں ہے اور جن کا مذہب تمام دینوں کو منسوخ کر دے

گا۔ خدا ان کو سارے جہاں کے لیے ”رحمت“ بنائے گا۔ تم ان کا پورا خیال

رکھو اور ان کو شام ہرگز مت لے جاؤ، کیونکہ خطرہ ہے کہ وہاں کے یہودی آپ

کو پہچان کر (نصیب اعداء) شہید کر ڈالیں گے۔

سوال: ۱۰ راہب کے مشورے کے بعد ابوطالب نے کیا کیا؟

جواب: حضرت کو مکہ معظمہ واپس بھیج دیا۔

خلاصہ

حضور ﷺ لڑکپن میں بہترین اخلاق کا مجسمہ تھے، اپنی کمائی سے بسر کرنے کا شوق شروع ہی سے تھا۔ بارہ سال کی عمر میں چچا ابوطالب شام کی طرف لے گئے، راستہ میں ”نجیرا“ راہب سے ملاقات ہوئی، اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا اور واپس کر دیا۔

شام کا دوسرا سفر

سوال: حضور ﷺ نے شام کا دوسرا سفر کب کیا؟

جواب: جب عمر شریف حضور ﷺ کی تقریباً پچیس سال کی ہوئی۔

سوال: اس سفر کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے تجارتی قافلہ کا منجر (امیر) بنا کر بھیجا تھا۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کون تھیں اور انہوں نے آپ کو کیوں منتخب کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک دولت مند اور امیر عورت تھیں، ان کی بہت بڑی

تجارت عرب میں اور عرب سے باہر ہوا کرتی تھی، ان کے شوہر وفات پا چکے

تھے، ضرورت تھی کہ کوئی امانت دار سچا اور سمجھ دار شخص مل جائے۔ حضور ﷺ کی

تعریفیں بہت کچھ سنی تھیں انہوں نے اپنی تجارت کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص

نہیں سمجھا۔ لہذا نفع میں ایک خاص حصہ مقرر کر کے آپ کو اپنے مال کا ذمہ دار بنا

کر ”شام“ کو روانہ کر دیا اور اپنے خاص غلام کو جن کا نام ”مینرہ“ تھا، حضور ﷺ

کے ساتھ کر دیا کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو اور حضور ﷺ کی خدمت کرتے رہیں۔

سوال: اس سفر کا مشہور اور بڑا واقعہ کیا ہے؟ بیان کرو۔

جواب: جب حضرت ﷺ شام پہنچے تو ایک درخت کے نیچے ٹھہر گئے۔ ایک راہب جس کا نام ”نسطورا“ تھا حاضر ہوا، اور بحیرا راہب کی طرح اس نے بھی حضور ﷺ کو نبوت کی بشارت دی اور کہا کہ میں نے آپ کو اس وجہ سے پہچان لیا کہ اس درخت کے نیچے آج تک نبی ہی ٹھہرے ہیں۔

سوال: اس سفر میں خدا کی طرف سے حضور ﷺ کو آرام پہنچانے کا کیا انتظام ہوا تھا؟

جواب: آپ کے ساتھی میسرہ کا بیان ہے کہ جب دو پہر کو گرمی اور دھوپ تیز ہوتی تو دو فرشتے آتے اور حضور ﷺ پر سایہ کرتے۔

سوال: حضور ﷺ نے اس تجارت میں کیا حاصل کیا؟

جواب: آپ نے نہایت سمجھ داری اور خوب صورتی کے ساتھ تمام مال بہت بڑے نفع کے ساتھ بہت جلد فروخت کر دیا اور پھر دوسرا مال شام سے بھروا کر مکہ تشریف لے آئے۔ جب یہ مال مکہ میں فروخت ہوا تو دو گنے کے قریب نفع ہوا۔

سوال: حضور ﷺ کے ان کارناموں سے کیا معلوم ہوا؟

جواب: معلوم ہوا کہ تجارت یا مزدوری کرنا اور قوت بازو سے کما کر بسر کرنا ضروری ہے اور ثواب کی چیز ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے توکل کیوں نہیں کیا؟

جواب: آپ نے توکل کبھی نہیں چھوڑا۔ مگر توکل کا مطلب یہ نہیں کہ بیوی اور بچوں سے بے پرواہ ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، یا باپ دادا کی چیز ہو تو اس پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو اپنا بیج بنالیں، بلکہ توکل کا مطلب یہ ہے کہ کمائی اور ترقی میں پوری تدبیر اور پوری کوشش سے کام لیں، البتہ اس کا یقین رکھیں کہ نتیجہ اور انجام اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، یہ غرور ہرگز نہ کریں کہ ہم نے ایسا کیا اور ہمارے کیے

کا یہ نتیجہ ہوگا۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھیں کہ پھل دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے، البتہ کوشش کرنا اپنا کام ہے، مگر یہ بھی سمجھتے رہیں کہ کوشش بھی صرف اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتی ہے۔

خلاصہ

جب حضور ﷺ کی عمر شریف تقریباً پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کی تجارت کے وکیل ہو کر شام تشریف لے گئے۔ جہاں ”نسطورا“ راہب سے ملاقات ہوئی۔ جس نے حضور ﷺ کو نبوت کی بشارت دی۔ اس سفر میں خدا کے حکم سے حضور ﷺ پر گرمی کے وقت برابر سایہ ہوتا تھا اور پھر بہت جلد تمام مال فروخت کر کے دوسرا مال لے کر واپس مکہ تشریف لائے۔ جب یہ مال مکہ شریف میں فروخت کیا گیا تو دو گنا نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام مہسرہ اس سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

حضور ﷺ کی ازدواجی زندگی

سوال: حضور ﷺ نے پہلا نکاح کس سے کیا؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو بیوہ عورت تھیں۔

سوال: شام کے سفر سے واپس آ کر کتنے عرصہ بعد یہ نکاح ہوا؟

جواب: دو ماہ بعد۔

سوال: حضور ﷺ کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: پچیس سال دو ماہ دس دن۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: چالیس سال۔

۱۔ ازدواج: نکاح کرتا، ازدواجی زندگی: شادی والی یعنی گزشتگی کی زندگی۔

۲۔ دروس التاريخ الاسلامی ۳۔ سرور المحرمون

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد اور والدہ کا نام کیا تھا اور سلسلہ نسب کیا تھا؟

جواب: والد کا نام ”خولید“ تھا اور والدہ کا نام ”فاطمہ“۔ سلسلہ نسب یہ ہے کہ دادا کا نام ”اسد“ ان کے والد کا نام ”عبد العزیٰ“۔ اور عبد العزیٰ ”قسی“ کے بیٹے تھے، جن کا ذکر حضور ﷺ کے سلسلہ نسب شریف میں آچکا ہے۔

سوال: اس نکاح کی کیا صورت ہوئی؟

جواب: جیسا کہ مذہب اسلام میں بیوہ عورت کا دوبارہ شادی کرنا کچھ معیوب نہیں، اسی طرح عرب میں پہلے بھی بیوہ عورتیں شادی کر لیا کرتی تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے اخلاق اور پاکیزہ عادتوں کی تعریفیں پہلے بھی سنی تھیں اور اپنے خاص غلام میسرہ سے جب سفر کے عجیب عجیب حالات معلوم ہوئے تو اور بھی زیادہ اعتقاد ہو گیا اور یقین ہو گیا کہ حضور ﷺ کا اقبال ہمایوں بہت جلد چودھویں رات کا چاند ہو کر ہمیشہ ہمیشہ چمکے گا۔ چنانچہ ایک ذریعہ سے اس عقد کی سلسلہ جنابی شروع کی۔ جس کو حضور ﷺ نے منظور فرمایا اور پھر ایک بڑے مجمع میں جس میں حضور ﷺ کے سارے چچا اور دوسرے رشتہ دار بھی تھے، نکاح ہو گیا۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں کتنے عرصہ رہیں اور کل عمر کس قدر ہوئی؟

جواب: تقریباً پچیس سال پونے دس ماہ۔ چودہ سال نبوت سے پہلے اور دس سال نبوت کے بعد اور کل عمر چونسٹھ اور پینسٹھ سال کے درمیان ہوئی۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح کیا یا نہیں؟

جواب: اس زمانہ میں حضور ﷺ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا، باوجودیکہ نکاح کرنے کی ضرورت موجود تھی، کیونکہ حضور ﷺ کا زمانہ شروع عمر کا تھا اور

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا چالیس سال سے زیادہ عمر کی بوزہ سی ہو چکی تھیں۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ کے کتنی اولاد ہوئی؟

جواب: دو فرزند اور چار صاحبزادیاں۔

سوال: ان کے نام کیا کیا تھے اور ان کی وفات کب ہوئی؟

جواب: ”قاسم“ اور ”طاہر“ صاحبزادوں کے نام تھے۔ اور حضرت طاہر رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ بھی بتایا جاتا ہے۔ ان دونوں کی وفات بچپن میں ہوئی۔ زینب، امّ کلثوم، رقیہ، فاطمہ رضی اللہ عنہن صاحبزادیوں کے نام تھے۔

سوال: حضور ﷺ کی صاحبزادیوں کا نکاح کس کس سے ہوا اور کس کس کے اولاد ہوئی؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت ابوالعاص بن ربیع سے ہوا۔ ایک لڑکا ”علی“ نام اور ایک لڑکی ”امامہ“ پیدا ہوئیں۔ لڑکا لڑکپن میں وفات پا چکا تھا۔ لڑکی بڑی ہوئیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد خالو یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نکاح ہوا، مگر کچھ اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ”ذی النورین“ کہتے ہیں یعنی دو نور والا، مگر سلسلہ ان سے بھی نہ چل سکا۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی سے ہوا۔ ان کے اولاد پیدا ہوئی اور ان سے سلسلہ نسب چلا۔

سوال: کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور سے بھی حضور ﷺ کے اولاد ہوئی؟

جواب: صرف ایک صاحبزادے حضرت ”ماریہ قبطیہ“ رضی اللہ عنہا سے ہوئے۔

سوال: ان کا نام کیا تھا اور کتنی عمر پائی؟

جواب: ”ابراہیم“ نام تھا اور لڑکپن ہی میں ان کی وفات ہو گئی۔

خلاصہ

سفرِ شام سے واپس آنے کے دو ماہ بعد حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا، جن کی عمر چالیس سال تھی اور بیوہ تھیں، حضور ﷺ کی عمر پچیس سال دو ماہ دس دن تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تقریباً پچیس برس حضور ﷺ سے نکاح کے بعد زندہ رہیں۔ چھ بچے ہوئے جن میں سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نسب چلا۔ حضور ﷺ کے ساتویں صاحبزادے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔

نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق اور تعلقات

سوال: نبوت سے پہلے حضور ﷺ کے اخلاق کی کیا کیفیت تھی اور کسب معاش کی کیا صورت تھی؟

جواب: حضور ﷺ کی ساری زندگی بہترین اخلاق کا خزانہ تھی، سچائی، دیانتداری، رحم، سخاوت، وفاداری، وعدہ کی پابندی، بزرگوں کی عظمت، چھوٹوں پر شفقت رشتہ داروں سے محبت، دوستوں کی ہمدردی، اعزاء کی غم خواری، مخلوقِ خدا کی خیر خواہی؛ غرض تمام اچھی باتوں میں حضور ﷺ کو وہ مرتبہ عطا کیا گیا تھا کہ ناممکن ہے کوئی اس کی گرد کو بھی پہنچ سکے، بہترین اخلاق ہی کا اثر تھا کہ لوگ ادب کے باعث نام نہیں لیتے تھے۔ ”صادق“ اور ”امین“ حضور ﷺ کا لقب مقرر کر رکھا تھا۔ متانت، سنجیدگی، کم بولنا، بے فائدہ بات سے نفرت کرنا، خندہ پیشانی اور ہنسی خوشی لوگوں سے ملنا، سادگی اور صفائی سے بات کرنا حضور ﷺ کا خاص شیوہ تھا۔ خداوندِ عالم نے آپ کو لڑکپن ہی میں تمام بری باتوں سے محفوظ رکھا جو اس زمانہ میں رواج پائی ہوئی تھیں۔ حرص، طمع، دغا، فریب، جھوٹ، شراب، زنا، ناچ گانا، لوٹ، چوری، بت پرستی، بتوں کے نام کی چیز کھانا، بتوں پر چڑھاوا، شعر گوئی، عشق بازی؛ یہ تمام باتیں جو اس زمانہ میں گویا ہر ایک کے جنم میں ہوتی تھیں حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی ان سب سے بالکل پاک اور صاف رہی، اسی

وجہ سے حضور ﷺ کو معصوم کہتے ہیں (یعنی گناہوں سے بچے ہوئے) اور لطف یہ ہے کہ نہ حضور ﷺ نے کوئی کتاب پڑھی، نہ کسی کے مرید ہوئے، نہ کسی نے حضور ﷺ کی باقاعدہ تربیت کی۔ یہ تمام خوبیاں خدا داد تھیں۔

ہمارے آقا ﷺ نے ہمیشہ قوت بازو سے کما کر زندگی بسر کی، حضور ﷺ کی اہلیہ حضرت خدیجہ فاطمہؓ کے پاس بہت کچھ دولت تھی۔ انہوں نے اس تمام دولت کو اسلام اور مسلمانوں کی امداد میں لٹا دیا، مگر رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنے خرچ و اخراجات میں بیوی کا احسان سر پر نہیں لیا۔ لکڑیاں چن کر، پھاؤڑا چلا کر، بکریاں چرا کر بسراوقات کرنا حضور ﷺ کو آسان تھا، مگر کسی کا احسان سر پر لینا مشکل، اگر خدا نخواستہ بیوی کا مال حضور ﷺ اپنے صرف میں لائے ہوتے تو قریش کے کافر آسمان سر پر اٹھا لیتے۔ وہ تو رات دن اسی تلاش میں رہا کرتے تھے کہ بدنام کرنے کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ لگ جائے اور بیوی کے مال سے خرچ کرنا عرب کے خیال میں بہت بڑا عیب تھا۔ خلق خدا کی خیر خواہی اور قوم کی خدمت اور ہمدردی کی فکر حضور ﷺ کو ہمیشہ رہا کرتی تھی، اپنے زمانہ والوں کی حالت پر پوری دردمندی کے ساتھ اکثر غور فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے مشورہ کے بموجب اس ہی زمانہ میں ایک انجمن قائم کی گئی جس میں بنو ہاشم، بنو المطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم شامل تھے۔ اس انجمن کے ممبر آپس میں معاہدہ کیا کرتے تھے: ”ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے، ہم مسافروں کی حفاظت کیا کریں گے، ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، ہم بڑوں کو چھوٹوں پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔“

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ قریش کے اعتبار اور تعلقات کی کیا کیفیت تھی؟

جواب: قریش کو حضور ﷺ پر اس قدر اعتبار اور بھروسہ تھا کہ نبوت کے بعد جب مکہ

کے کافر حضور ﷺ کے جانی دشمن بن رہے تھے اس وقت بھی اپنی امانتیں حضور ﷺ کے پاس ہی رکھوا کر مطمئن ہوتے تھے۔

ایک عجیب واقعہ ہے جس سے حضور ﷺ کے اور قریش کے تعلقات کا اندازہ ہو سکتا ہے، مکہ میں سیلاب آیا جس کے سبب سے خانہ کعبہ منہدم ہو گیا، قریش نے دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا، چونکہ یہ چیز شہرت اور ناموری کی تھی تمام قبیلوں نے اس میں حصہ لیا، جب حجر اسود کو دیوار میں چننے کی نوبت آئی اور یہ کام بہت بڑی عزت کا تھا، اس وجہ سے ہر قبیلہ والے دعویٰ کرنے لگے کہ یہ عزت ہم کو ملنی چاہیے۔ اسکے مستحق ہم ہیں اور یہ معاملہ اتنا بڑھا کہ باقاعدہ جنگ کے لیے آمادگی ہونے لگی۔ قریش کے نیک دل اور سنجیدہ آدمیوں نے (خصوصاً ابوامیہ بن مغیرہ نے جو سب سے بوڑھا تھا) چاہا کہ یہ معاملہ نرمی سے طے ہو جائے اور آپس میں خون بہنے کی نوبت نہ آئے، چنانچہ مشورہ کے لیے خانہ کعبہ کے احاطے میں (جس کو آج کل مسجد حرام کہتے ہیں) جمع ہوئے اور غور و فکر کے بعد یہ طے ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے مسجد کے اس دروازہ میں داخل ہو، وہ اس معاملہ کا فیصلہ کریگا۔ حسن اتفاق سے مجمع کی نظر سب سے پہلے جس پر پڑی وہ سرورِ عالم ﷺ کا چہرہ انور تھا۔ سب خوش ہو کر بول اُٹھے: ”یہ امین ہیں، صادق ہیں، عرب کے بہترین شخص ہیں، خوب تشریف لائے۔ بہترین فیصلہ یہی فرما سکتے ہیں۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے چادر پھیلا کر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے چادر میں رکھ دیا اور فرمایا: ”ہر قبیلہ کے منتخب آدمی چادر کو اٹھائیں۔“ جب حجر اسود بنیاد تک پہنچ گیا۔ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو اٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔

سوال: جب یہ واقعہ ہوا تو حضور ﷺ کی عمر کیا تھی؟

جواب: ۳۵ سال۔

رسالت، نبوت، رسول کی تعریف اور ضرورت

سوال: رسالت اور نبوت کے کیا معنی ہیں؟

جواب: رسالت کے معنی رسول ہونا اور نبوت کے معنی نبی ہونا۔

سوال: رسول یا نبی کس کو کہتے ہیں؟

جواب: رسول اور نبی خدا کے بندے اور انسان ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں اپنے بندوں تک احکام پہنچانے کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ وہ سچے ہوتے ہیں، کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ خدا کے حکم سے معجزے دکھاتے ہیں۔ خدا کے پیغام پورے پورے پہنچا دیتے ہیں۔ ان میں کمی زیادتی نہیں کرتے، نہ کسی پیغام کو چھپاتے ہیں۔

سوال: نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟

جواب: نبی اور رسول میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ یہ کہ ”رسول“ تو اس پیغمبر کو کہتے ہیں جس کو نئی شریعت اور کتاب دی گئی ہو اور ”نبی“ ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں جس کو نئی شریعت دی گئی ہو اور ایسے پیغمبر کو بھی کہتے ہیں کہ اُسے نئی شریعت اور کتاب نہ دی گئی ہو، بلکہ وہ پہلی شریعت اور کتاب کا تابع ہو۔

سوال: کیا کوئی آدمی اپنی کوشش اور عبادت سے نبی بن سکتا ہے؟

جواب: نہیں، بلکہ جسے خدا تعالیٰ بنائے وہی نبی اور رسول بنتا ہے، مطلب یہ کہ نبی اور رسول بننے میں آدمی کی کوشش اور ارادے کو دخل نہیں، خدا کی طرف سے یہ مرتبہ عطا کیا جاتا ہے۔

سوال: رسول اور نبی کتنے ہیں اور ان میں سب سے افضل رسول کون ہیں؟

جواب: دنیا میں بہت سے رسول اور نبی آئے، ان کی ٹھیک تعداد خدا کو معلوم ہے۔ ہمارا

فرض یہ ہے کہ جتنے رسول اور نبی خدا نے بھیجے ہیں ان سب کو برحق جانیں، البتہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل اور بزرگ ہیں۔ خدا تعالیٰ کے تو آپ بھی بندے اور تابع دار ہیں، خدا تعالیٰ کے بعد آپ کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔

سوال: رسول اور نبی کیوں آتے ہیں؟

جواب: طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی مرضی کو اس وقت تک نہیں پاسکتا جب تک وہ خود نہ بتائے یا اس کا طریقہ یا عادت اور مزاج نہ معلوم ہو۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ خدا کی مرضی کے تابع رہے، کیونکہ وہ خدا کا بندہ ہے، خدا نے اس کو پیدا کیا، ہوش و حواس دیئے، وہی اس کو رزق دیتا ہے، وہی اس کی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ لیکن انسان کی عقل اتنی نہیں کہ خدا کی مرضی کو معلوم کر سکے، نہ اس کی آنکھوں میں اتنی طاقت کہ خدا کے نور کو دیکھ سکے اور اس کے جلال والے نور کی برداشت کر سکے۔ نہ اس کے کانوں میں اتنی طاقت کہ خدا کی سننا دینے والی آواز سن سکے اور اس کا وہ کلام سمجھ سکے جو تمام انسانی لگاؤوں سے اونچا اور بہت اونچا ہے۔ عقل کی کوتاہی کا یہ اثر ہے کہ کبھی وہ بری چیز کو اچھی سمجھ کر سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے اور کبھی شیطانی کاموں میں دل لگا کر برباد ہونے لگتا ہے اور بڑھتے بڑھتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام عالم میں ظلم اور بدکاری پھیل جاتی ہے، خدا کی تعلیم بھلا دی جاتی ہے۔ ظلم و فساد کی اندھیری سب طرف سے گھیر لیتی ہے اور آدم علیہ السلام کی اولاد تباہ اور برباد ہونے لگتی ہے تو خدا کی رحمت انکی امداد فرماتی ہے اور کسی ایسے شخص کو پیدا کرتی ہے جس کو لڑکپن ہی سے گناہوں کے جھگھوٹوں سے بچایا جائے۔ اس کے دامن کو گناہ کی تمام ملاؤں سے پاک رکھا جائے اور

رفتہ رفتہ اس کو اتنی قوت دے دی جائے کہ وہ خدا کے احکام کو سمجھ سکے اور لوگوں تک پہنچا سکے تاکہ یہ خدا کی مخلوق خدا کے عذاب سے بچ جائے اور دین و دنیا کی ترقی اور بھلائی حاصل کر لے۔

سوال: حضور ﷺ کے تشریف لانے کے وقت عرب کے لوگوں کا کیا مذہب تھا اور تمام دنیا کی مذہبی حالت کیا تھی؟

جواب: اس زمانہ میں عرب کسی ایک مذہب کے پابند نہیں تھے۔ بلکہ مجوسیت، زرتشتی، دہریت، عیسائیت، یہودیت، شرک وغیرہ وغیرہ تمام جھوٹے مذہبوں کا عرب میں رواج تھا، ایک خدا کو چھوڑ کر سینکڑوں چیزوں کی پوجا کرتے تھے، قدرت کی ہر ایک چیز کو خدا بنا لیا تھا۔ حد ہو گئی تھی، منہائی کا بت بنایا جاتا اور پوجا کرنے کے بعد اسی خدا کو توڑ کر کھایا جاتا۔ ماں اور بہنوں تک سے شادی وغیرہ کی جاتی تھی، زندہ بیٹیوں کو زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔

عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا تھا۔ یہودیوں میں رشوت، سود، ظلم، حرص، طمع عام تھی۔ وہ اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہا کرتے تھے، حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ ہندوستان میں کروڑوں بتوں کی پوجا ہوتی تھی، کس قدر شرم کی بات ہے کہ بدن کے ناپاک حصوں کو بھی پوجا جاتا تھا۔ ہر ہر شہر میں الگ الگ حکومت قائم تھی، لوٹ مار، جھگڑا فساد عام تھا۔ یورپ میں خانہ جنگی اور بت پرستی کی حکومت تھی۔ غرض تمام دنیا کی یہی حالت تھی۔ گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیری تھی جو تمام دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور دنیا کو اس وقت کسی سچے رہبر کی ایسی ہی ضرورت تھی جیسے ماہی بے آب کو پانی کی۔ واللہ اعلم!

حضور ﷺ کا نبی بنایا جانا

سوال: باطنی طور پر تو حضور ﷺ کو سب نبیوں سے پہلے نبوت دے دی گئی تھی، مگر ظاہری طور پر حضور ﷺ کو نبوت کب عطا ہوئی؟

جواب: جب عمر شریف چاند کے حساب سے چالیس سال ایک دن ہوئی۔

سوال: کون سا دن تھا اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: پیر کا دن تھا اور نبوت کی تاریخ نئی تحقیق کے مطابق ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ فروری ۱۱۰۰ء ہے۔

سوال: رسول اللہ ﷺ اس وقت کہاں تھے؟

جواب: مکہ معظمہ کے قریب جو ”حرا“ پہاڑ ہے اس کے ایک غار میں جسے ”غار حرا“ کہتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ وہاں کیوں تشریف لے گئے تھے؟

جواب: حضور ﷺ کو تنہائی پسند تھی۔ حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ کچھ عرصہ کے لیے اس غار میں تشریف لے جا کر تنہائی میں خدا کی عبادت کیا کرتے تھے اور رات دن وہیں رہا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ وہ ناشتہ جو اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے اتنی مدت کے لیے کافی نہ ہوتا تو آپ کی ہمدرد بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جب موقع پاتیں تو خود بھی کچھ ناشتہ پہنچا دیتی تھیں۔

سوال: حضور ﷺ کس مذہب کے موافق عبادت کیا کرتے تھے؟

جواب: مشہور یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کے مطابق۔

سوال: حضور ﷺ نے نبوت سے کچھ عرصہ پہلے کیا دیکھا؟

جواب: ایک نور دکھائی دیا کرتا تھا اور آپ چھ ماہ پیشتر سے سچی خوابیں زیادہ تر دیکھا

کرتے تھے، جن کی تعبیر ایسی صاف اور سچی ہوتی تھی جیسے آفتاب کا نکلنا صبح کے وقت۔

سوال: حضور ﷺ کو نبوت عطا ہونے کی کیا صورت ہوئی؟

جواب: حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام غارِ حرا میں آئے اور انہوں نے کہا: ”اِقْرَأْ“ یعنی پڑھو، میں نے کہا: میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے اپنی آغوش میں مجھے اتنے زور سے دبایا کہ گویا جان نکلنے لگی، پھر چھوڑ کر کہا: ”اِقْرَأْ“ یعنی پڑھیے۔ میرا جواب وہی تھا کہ میں پڑھا ہوا نہیں، جبرئیل علیہ السلام نے دوبارہ ایسا ہی کیا، آخر کار جب تیسری مرتبہ اسی قدر زور سے آغوش میں دبا کر چھوڑا اور فرمایا کہ پڑھو۔ میں نے کہا: ”کیا پڑھوں؟“ اس وقت یہ چند آیتیں پڑھیں: ”اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ“ سے ”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“ تک۔

خلاصہ

حضور ﷺ کو پیدائش شریف سے اکتالیسویں برس ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز دوشنبہ (پیر) کوہِ حرا کے ایک غار میں نبوت کی با عظمت خلعت عطا فرمائی گئی۔ اس وقت عمر مبارک چالیس سال ایک دن کی تھی۔

تبلیغ اور دعوت اسلام

سوال: حضور ﷺ نے اول اول کس طرح مسلمان بنانا شروع کیا؟

جواب: پوشیدہ طور پر جن جن لوگوں میں قابلیت اور صلاحیت پاتے تھے ان کو ہم خیال بنا کر مسلمان ہو جانے پر آمادہ کرتے تھے۔

سوال: سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟

جواب: آزاد مردوں میں حضور ﷺ کے جان نثار دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، آزاد عورتوں میں حضور کی محترمہ اہلیہ، شہنشاہِ عالم کی مقدس ملکہ حضرت خدیجہ

الکبریٰ رضی اللہ عنہما، آزاد بچوں میں حضور کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، باندیوں میں حضور ﷺ کی آزاد کردہ باندی اُم ایمن رضی اللہ عنہا۔

سوال: سب سے پہلے دوستوں اور گھر کے خاص آدمیوں کے اسلام لانے سے کیا سمجھا جاتا ہے؟

جواب: ان حضرات کا سب سے پہلے، پہلی ہی آواز پر ایمان لانا حضور ﷺ کی سچائی اور اعلیٰ پاکیزگی پر قوی دلیل ہے، کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو آنحضرت ﷺ کی چالیس سال کی ذرا ذرا سی باتوں سے پوری طرح واقف تھے اور حضور ﷺ کا اللہ والا طرز طریق لڑکپن سے دیکھ رہے تھے۔

سوال: یہ لوگ مسلمان ہو کر صرف وظیفہ و وظائف میں مشغول ہو گئے یا کچھ اور بھی کام کیا؟

جواب: ان حضرات نے مسلمان ہونے کے بعد فوراً ہی آہستہ آہستہ اپنے خیالات کو پھیلانا شروع کر دیا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت بلال، عمرو بن عبسہؓ، خالد رضی اللہ عنہ وغیرہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے اور پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت عبدالاسد بن ہلال، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ حضرات مسلمان ہو گئے۔ جن کو اگر اسلام کی جڑیں کہا جائے تو بجا ہے۔ اسی طرح عورتوں میں حضرت کی چچی یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت ام الفضل، حضرت اسماء بنت عمیس، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت عمر کی بہن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔

سوال: اس طرح پوشیدہ پوشیدہ اسلام پھیلنے سے کیا مفہوم ہوتا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کی تبلیغی کوشش سے تم کیا سمجھتے ہو؟

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ تلوار کے زور سے اسلام نہیں پھیلا، بلکہ سچائی، اخلاق اور ایمان داری کے زور سے اسلام پھیلا ہے۔ ورنہ ایک دو آدمی کی کیا ہمت تھی کہ کسی غیر کوز بردستی اسلام لانے پر مجبور کرتا اور خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ دنیا ان کی دشمن ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات کی اس خطرناک زمانہ میں کوششوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ تمام مصیبتوں سے بے پروا ہو کر اسلام کی ترقی کے لیے ہمیشہ جان توڑ کوشش کرتا رہے۔

سوال: اسلام کی دعوت کتنے عرصہ تک پوشیدہ طور پر ہوتی رہی؟

جواب: تقریباً تین برس تک۔

سوال: اس عرصہ میں کتنے آدمی مسلمان ہوئے؟

جواب: تقریباً تیس آدمی۔

سوال: اس زمانہ میں مسلمان کہاں رہا کرتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے شہر مکہ کے کنارے پر ایک مکان تجویز فرما دیا تھا، عموماً مسلمان اسی میں رہا کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے اور حضور ﷺ وہیں تشریف لے جا کر ان کو تعلیم اسلام سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

خلاصہ

حضور ﷺ نے خدا کے حکم کے بموجب اول اول پوشیدہ طور پر مسلمان بنانا شروع کیا، تقریباً تین سال اسی طرح اسلام کی تبلیغ ہوتی رہی۔ جو حضرات مسلمان ہوئے انہوں نے اپنا فرض محسوس کیا اور فوراً دوسروں میں تبلیغ شروع کر دی، اس طرح آہستہ آہستہ تین سال کے عرصہ میں تقریباً تیس آدمی مسلمان ہو گئے، یہی وہ لوگ تھے جن سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں۔ ان کا اس طرح اسلام لاننا روشن دلیل ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے

نہیں پھیلا، بلکہ روحانی اور اخلاقی طاقت نے لوگوں کو اسلام کا عاشق بنایا، اتنی ہمت نہ تھی کہ کھلم کھلا احکام اسلام کے بموجب عبادت کر سکیں، مجبوراً چھپ چھپ کر اسلام کے احکام کی تعمیل کیا کرتے تھے۔

کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ اور سچی آواز کی مخالفت

سوال: کھلم کھلا اسلام کی تبلیغ کس طرح شروع کی گئی؟

جواب: مکہ کی ایک پہاڑی پر جس کا نام ”صفا“ ہے حضور ﷺ تشریف لے گئے اور قریش کے خاندانوں کو نام بنام پکارا۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ”اگر میں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے اور قریب ہے کہ تم پر حملہ کر دے تو کیا تم اس خبر کو سچ جانو گے؟“ حاضرین نے ایک زبان ہو کر جواب دیا:

آپ کی سچائی کا ہمیں پورا یقین ہے، آج تک کوئی خلاف بات آپ سے سرزد نہیں ہوئی۔ اسی باعث سارا عرب آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی خبر کو ہم سچ نہ مانیں، حضور ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم نے اپنے ناپاک خیالات اور غلط عقیدوں کو نہ چھوڑا تو یقین جانو، خدا کے سخت عذاب کا لشکر تم کو تباہ کر دے گا۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں۔“

سوال: جب خداوند عالم کا یہ حکم نازل ہوا: ”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا سے ڈراؤ تو حضور ﷺ نے اس کی تعمیل کس طرح کی؟

جواب: حضور ﷺ نے عبد مناف یعنی پردادا کی اولاد میں سے تقریباً چالیس آدمی جمع کیے اور فرمایا: جو تحفہ تمہارے لیے میں لایا ہوں، دنیا میں کوئی شخص اپنی قوم یا جماعت کے لیے اس سے بہتر تحفہ نہیں لایا۔ میں تمہارے لیے دین و دنیا کی ترقی اور کامیابی لایا ہوں، خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں، دنیا

کے تمام آدمیوں سے اگر میں جھوٹ بولتا تو واللہ! تم سے جھوٹ ہرگز نہ بولتا، اگر میں دنیا کے آدمیوں کو دھوکا دیا کرتا تو میرا ضمیر کسی طرح گوارا نہ کرتا کہ تمہیں دھوکا دوں۔ اس پروردگار کی قسم جو یکتا ہے، میں تمہارے پاس رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

سوال: قریش نے اس سچی پکار کا کیا جواب دیا؟

جواب: ”ابولہب“ (حضور ﷺ کا چچا) کھڑا ہوا اور لاکارا: ”بَشَأَ لَكَ الْهَذَا جَمْعَتْنَا“ تو برباد ہو، کیا اسی واسطے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ (معاذ اللہ)۔ قرآن پاک کی سورت ”تَبَّتْ يُدَا اٰبٰی لٰهَبٍ“ سے اللہ تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے، آیت کا ترجمہ یہ ہے: ”ابولہب ہی برباد ہو گیا۔“

اس کے بعد کفار نے وہ تکلیفیں حضور ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں اور حمایتیوں کو پہنچائیں کہ ان کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دنیا ان کی مثال سے خالی ہے، خدا کی پناہ! کبھی حضور ﷺ کے راستوں پر کانٹے بچھا دیئے جاتے، کبھی کوشوں کے اوپر سے غلاظت اور کوڑے کرکٹ کے ٹوکے حضور ﷺ کے جسم پاک پر پھینکے جاتے، کبھی اس جسد مبارک کے ساتھ معاذ اللہ! مار پیٹ کی گستاخیاں کی جاتیں، زخموں کے خون سے سارا بدن نہلا دیا جاتا۔ خدا کی قدرت نظر آتی تھی جب اللہ کے اس گھر میں جہاں جانور کو ستانا بھی حرام سمجھتے تھے خود حضور ﷺ کے رشتہ داروں کی طرف سے حضور ﷺ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتیں۔

وہی کعبہ جو خدا کا گھر تھا، جو تمام مخلوقات کے لیے امن کی جگہ تھا۔ جب خدا کا سب سے زیادہ پاک اور پیارا بندہ خدا کے سامنے سجدہ کرتا تو کبھی گردن میں کپڑا ڈال کر کھینچا جاتا، جس سے گلا گھٹنے لگتا، آنکھیں باہر کو آنے لگتیں، کبھی سر پر اونٹ

کی اوجھر رکھ دی جاتی جس میں منوں غلاظت ہوتی۔ کبھی اس مقدس سر کو کچلنے کی کوشش کی جاتی جو خدا کے بے خوف گھر میں اللہ کے سامنے زمین پر رکھا ہوتا تھا، کبھی خدا کے اس پاک اور محبوب بندے کو شہید کر دینے کے منصوبے کیے جاتے۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ کے ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ مکہ کی وہ کنکریلی زمین جو تنور کے بھویل کی طرح تپتی ہے دو پہر کی آگ برسانے والی دھوپ میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا پچھونا بنائی جاتی تھی۔ ننگا لٹا کر اسکے سینہ پر پتھر رکھ دیا جاتا کہ بل بھی نہ سکیں، گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالہ کر دی کہ پہاڑ کے پتھروں میں گھیسٹے پھریں۔ ایسا بھی ہوا کہ حضور ﷺ کے ساتھیوں کی ٹٹلیں کس کس کو صرف اس جرم پر روزانہ بید لگائے گئے کہ بت پرستی کیوں چھوڑ دی۔ کسی کی گردن مروڑی جاتی، سر کے بال کھینچے جاتے۔ دھوئیں میں بند کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دم گھونٹا جاتا، کسی کو گائے اور اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا، کسی کو لوہے کی زڑہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا جاتا۔

او کبخت ابو جہل! تیرا وہ ظلم ہمیشہ یاد رہے گا کہ تو نے ”بی بی سُمیہ رضی اللہ عنہا“ کے نازک حصہ میں نیزہ مار کر شہید کر ڈالا تھا۔ دنیا کبھی نہیں بھول سکتی کہ ان کم بختوں نے تین برس تک برابر حضور ﷺ کا اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کا مقاطعہ رکھا تھا۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ کسی طرح پانی کا ایک گھونٹ یا کھانے کا ایک لقمہ بھی اللہ کے ماننے والوں تک نہ پہنچ سکے۔ بچے بھوک کے مارے راتوں بلبلاتے، ان کے وہ رشتہ دار جو ان بچوں پر کبھی کا بیٹھنا بھی گوارا نہ کر سکتے تھے، ان کی بلبلاہٹ سنتے، پتھر اگر کان رکھتے تو یقیناً پھٹ جاتے، لیکن ان کے دل ایک لمحہ کے لیے بھی نہ پیچتے اور اگر کچھ متاثر ہوتے بھی تو معاہدہ کی پابندی سے مجبور ہو جاتے تھے۔

قصور صرف اتنا تھا کہ اللہ کو ایک کیوں کہتے ہو؟ پتھروں کو کیوں نہیں پوجتے؟ لوٹ مار،

شراب خوری، جو بازی، فحش کاری اور ہزاروں قسم کے برے کاموں میں ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ وہی اللہ کا یکتا بندہ جو سارے جہاں کے لیے رحمت بن کر آیا تھا، جب ان کے فائدے کی باتیں سناتا تو وہ شور مچاتے کہ کوئی سن نہ سکے۔ آپ کو (معاذ اللہ) مجنوں کہتے تھے تاکہ حضور ﷺ کی بات پر کوئی کان نہ لگا سکے۔ میلوں اور بازاروں کے موقعوں پر ناکہ بندی کر دیتے کہ کوئی حضور ﷺ تک پہنچ نہ سکے، وہ پتھر برساتے اور پیچھے لگتے کہ اللہ کا بھیجا ہوا پیارا رسول چل نہ سکے۔

طارق بن عبد اللہ محارب بنی النخعہ ایک صحابی ہیں، اسلام سے پہلے ”ذی الحجاز“ کے بازار (میلے) میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص سرخ دھاریوں کی چادر اوڑھے ہوئے ہے اور پکار رہا ہے: ”لوگو! کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کامیاب ہو جاؤ گے۔“ ایک دوسرا شخص پتھر لیے ہوئے انکے پیچھے لگا ہوا ہے، پتھروں کی مار سے قدموں اور ٹخنوں کو بولہ بان کر دیا ہے۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر لگا رہا ہے۔ اس کا کہنا مت مانو، جھوٹا ہے (معاذ اللہ)۔ میں نے کہا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا عبد المطلب کے خاندان کے ایک نوجوان ہیں، میں نے پوچھا: پتھر مارنے والا کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ان کا چچا ”عبد العزیٰ“ نامی جس کو ابولہب کہتے ہیں۔ الغرض ایک سچی آواز تھی جو پہاڑ کی گھائیوں میں، شہروں کی گلیوں میں، پینٹھ اور میلوں کے بازاروں میں، شادی اور خوشی کی محفلوں میں، رنج اور مصیبت کی ماتم گاہوں میں، خانہ کعبہ کے حرم میں، منی اور عرفات کی وادیوں میں، بھولی بھالی مظلومانہ سچائی کے ساتھ اٹھتی تھی۔ ظالموں کا ظلم اس کو دبانا چاہتا تھا، مگر مظلومیت کا شعلہ اس کو دن بہ دن بھڑکار رہا تھا۔

ظلم اور سختی جب کارگر نہ سمجھی گئی تو طمع بھی دی گئی۔ حضور ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اگر حسینہ کی تلاش ہو تو سارے عرب کی عورتیں پیش ہیں، جس کو چاہو پسند کر لو۔ اگر روپیہ کی ضرورت ہو تو عرب کے خزانے موجود ہیں۔ اگر حکومت کی تمنا ہو تو ہماری گردنیں غلامی کے لیے

حاضر ہیں، ہم رعایا بننے ہیں اور آپ کو بادشاہ بناتے ہیں۔ مگر جواب ایک تھا اور وہ یہ کہ اگر ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج بھی لا کر رکھ دیں تو خدا کی قسم! میں اس قدم سے نہ ہٹوں گا جس پر میرے خدا نے مجھے جمادیا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ ایک پکار تھی جو حضور ﷺ کی زبان سے ادا ہوئی تھی۔ نافرمان مخلوق نے ہزاروں کوششوں سے دباننا چاہا، مگر وہ خدا کی پکار تھی، اللہ کی آواز کو بلند ہونا تھا، وہ بلند ہوئی اور آج تک بلند ہے، اب تمہارا فرض ہے کہ آئندہ اس کو بلند رکھو۔

سوال: مکہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ دشمن کون کون تھے جو سب سے زیادہ تکلیف دیا کرتے تھے؟

جواب: حضور ﷺ کا چچا ابولہب، ابو جہل جس کا نام ”عمرؤ“ تھا اور اس کا بھائی ”عاصی“ اور ولید بن عتبہ اور ابوالختری پسر ہشام اور عتبہ پسر ربیعہ اور شیبہ پسر ربیعہ۔

سوال: دنیا میں ان کا کیا انجام ہوا؟

جواب: جنگ بدر میں کشتی کی موت مارے گئے۔

ہجرت یا جلا وطنی

سوال: ہجرت کس کو کہتے ہیں؟

جواب: کسی مجبوری سے اصلی وطن چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کے زمانہ میں کتنی ہجرتیں ہوئیں؟

جواب: تین۔

سوال: ان کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: (۱) ”ہجرت حبشہ اولیٰ“ یعنی حبشہ کی طرف پہلی بار ہجرت۔

(۲) ”ہجرت حبشہ ثانیہ“ یعنی ملک حبشہ کی طرف دوسری بار ہجرت۔

(۳) ”ہجرت مدینہ“ یعنی مدینہ کی طرف ہجرت۔

سوال: پہلی مرتبہ مکہ چھوڑ کر لوگ کہاں گئے؟

جواب: ملک حبشہ میں۔

سوال: حبشہ کے بادشاہ کا نام اور اس کا لقب و مذہب کیا تھا؟

جواب: نام اُضحہ بن بعمری، مذہب عیسائی اور لقب نجاشی تھا جو حبشہ کے ہر بادشاہ کا ہوا کرتا تھا۔

سوال: اس ہجرت میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: کل پندرہ یا سولہ۔ دس یا گیارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں۔

سوال: اُن میں حضور ﷺ تھے یا نہیں، اور سردار کون تھا؟

جواب: اُن میں حضور ﷺ نہیں تھے، اور مشہور یہ ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو حضرت علیؓ کا بھائی تھے، ان سب کے سردار تھے۔ بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سردار تھے جو حضور ﷺ کے داماد تھے اور حضور ﷺ کی صاحبزادی سمیت ہجرت کر گئے تھے۔

سوال: ان لوگوں نے ہجرت کیوں کی؟

جواب: جب قریش نے ان حضرات کی زندگی دو بھر کر دی تو حضور ﷺ نے ان کی جان کا خوف کر کے اجازت دے دی تھی کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔

سوال: قریش نے ان کے مقابلہ میں کیا کیا؟

جواب: قریش نے ”عمرو بن العاص“ اور ”عبداللہ بن ابی امیہ“ کو تحفے تحائف دیکر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا، انہوں نے بادشاہ کے سامنے تحفے پیش کر کے درخواست کی کہ ان لوگوں کو ان کے حوالہ کر دیا جائے، وہ قوم اور مذہب کے باغی ہیں۔

سوال: نجاشی نے کیا جواب دیا؟

جواب: جب تک میں ان لوگوں سے گفتگو نہ کر لوں اور اسلام کی حقیقت نہ معلوم کر لوں، حوالہ نہیں کر سکتا۔

سوال: نجاشی سے کس نے گفتگو کی؟

جواب: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: وہ گفتگو کیا تھی؟ مختصر طور پر بتاؤ۔

جواب: شاہ حبشہ نے کہا: ”اپنا مذہب اور صحیح صحیح واقعات بتاؤ“ اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: ”شاہا! گمراہی اور جہالت کا ایک دور تھا، ہم اس میں پھنسے ہوئے تھے۔ مٹی اور پتھر کے بے حس و حرکت بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حرام اور مردار ہماری خوراک تھی۔ ہزاروں قسم کی بری باتیں ہمارا شیوہ تھیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی، پڑوسیوں پر ظلم، حلیفوں سے بد عہدی ہماری عادت ہو گئی تھی۔ ہمارا طاقتور کمزور کو کھائے جاتا تھا۔ خدا کی شان کہ اس نے ہماری اصلاح کے لیے ایک سچائی بھیجا، جس کے حسب و نسب سے ہم واقف، اس کی سچائی، دیانت داری، پاک دامنی سارے عرب میں مشہور۔

اس نے ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی اور بتایا کہ ہم کسی کو اس کا شریک یا مددگار نہ مانیں، مٹی اور پتھر کی ان گھڑی ہوئی صورتوں کے سامنے سے گردن کھینچ لیں، جنکے قدموں میں ہمارے سر مارے مارے پھرتے تھے۔ اور حکم فرمایا کہ سچ بولو، عزیزوں رشتہ داروں سے اچھا برتاؤ کرو، پڑوسیوں پر احسان کرو، حرام سے بچو، بے گناہوں کے قتل و خون سے ہاتھ روکو، بری باتوں سے نفرت کرو، جھوٹی باتوں پر لعنت بھیجو، یتیم کا مال ہرگز مت کھاؤ، نماز پڑھو، روزہ رکھو، حج اور زکوٰۃ ادا کرو۔ جناب والا! ہم ان پر سوجان سے ایمان لے آئے اور تہ دل سے ان کی تصدیق

کی۔ اس کے بعد سورہ مریم کی تلاوت کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم رضی اللہ عنہما کے متعلق اسلامی عقیدہ کو واضح کیا۔

سوال: بادشاہ پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس سچی اور درد بھری تقریر کو سن کر وہ خود بھی ایمان لے آیا اور ان مسلمانوں کو قریش کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

سوال: یہ ہجرت نبوت ملنے سے کون ت سال ہوئی؟

جواب: پانچویں سال۔

سوال: یہ لوگ حبشہ سے کتنے عرصہ بعد لوئے؟

جواب: دو یا تین ماہ بعد۔

سوال: اس قدر جلد کیوں واپس آئے؟

جواب: ایک غلط خبر مشہور ہو گئی تھی کہ مکہ کے کافر مسلمان ہو گئے۔

سوال: واپسی پر مکہ کے کافروں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: وہی ظلم و ستم، جبر و قہر۔

خلاصہ

قریش کے ظلم سے تنگ آ کر کچھ لوگوں کو مکہ چھوڑ دینے کی اجازت دی گئی، پہلی مرتبہ ۱۶ یا ۱۵ آدمی مکہ چھوڑ کر حبشہ گئے۔ حضرت جعفر یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما ان کے سردار تھے۔ قریش نے ان کا تعاقب کیا۔ دو آدمیوں کو تھنہ تھانف دے کر حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا کہ مسلمانوں کو ان کے حوالہ کر دیں۔ بادشاہ نے مسلمانوں سے واقعات پوچھے جن کو سن کر وہ خود ایمان لے آیا اور ان کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ایک غلط خبر کی بنا پر تین ماہ بعد یہ لوگ واپس آ گئے، مگر واپس آنے پر کفار نے پہلے سے زیادہ تنگ کیا۔ بادشاہ کا نام اصمہ تھا، لقب نجاشی، مذہب عیسائی۔

اسلام کی ترقی اور حضور ﷺ کا مقاطعہ

سوال: پہلی ہجرت سے واپسی نبوت کے کون سے سال ہوئی؟

جواب: پانچویں سال میں۔

سوال: اس سال تک مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوئی تھی؟

جواب: چالیس مرد اور گیارہ عورتیں۔

سوال: اس سال کا بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور پھر تین دن بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا۔

سوال: اس سال تک مسلمانوں کی کیا حالت تھی اور ان دونوں بزرگوں کے اسلام لانے

کا کیا اثر ہوا؟

جواب: اس وقت تک مسلمان ہونے والے حضرات اگرچہ عقل مندی، سنجیدگی اور طبیعت کی نیکی میں بے نظیر اور مشہور تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مقدموں کا بہترین فیصلہ کرنے والے مشہور تھے۔ مگر یہ حضرات رعب اور دھاک کے آدمی نہیں تھے، اسی وجہ سے تمام اسلامی کام چھپ چھپ کر ادا کیے جاتے تھے اور اسلام اس سال تک گویا پوشیدہ راز تھا، یہ دونوں بزرگ چوں کہ جری، شجاع اور بارعب تھے، ان دونوں حضرات نے خصوصاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس چھپاؤ کی کو ایک دم اٹھادیا۔ خیال یہ ہے کہ اس ہی توقع کی بنا پر حضور ﷺ نے دعا بھی فرمائی تھی کہ اے اللہ! عمرو بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) کے ذریعہ سے اسلام کو قوت عطا فرما اور یہی امید تھی جس نے مسلمانوں کو اس درجہ خوش کر دیا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر بے اختیار

نعرہ تکبیر اس قدر زور سے بلند کیا کہ مکہ کی گلیاں گونج اُٹھیں۔ چنانچہ خیالات کے موافق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عمل بھی کیا۔

سوال: اسلام کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا کارنامہ کیا ہے؟

جواب: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب اسلام سے مشرف ہو چکے تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر ہم حق پر ہیں تو اس چھپا لکی کی کوئی وجہ نہیں اور پھر مسلمانوں کو ساتھ لیا اور حرم میں جا کر ایک خدا کی عبادت بجالائے۔

سوال: کفار نے اس دلیہ کی کوس نگاہ سے دیکھا؟

جواب: دن بہ دن اسلام کی ترقی نے ان کو سہا دیا، اپنے دن انھیں نظر آنے لگے۔ فوری طور پر تو اس دلیری کا جواب مار پیٹ سے دیا، لیکن پھر پوری طاقت سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سوال: مسلمانوں کو مٹا دینے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: یہ انتظام تو پہلے ہی سے تھا کہ کوئی شخص حضور ﷺ تک پہنچ نہ سکے۔ راستوں پر آدمی بٹھا دیئے جاتے تھے، تاکہ آنے جانے والوں کو پہلے ہی روک لیا جائے اور طرح طرح کی جھوٹی تہمتوں سے اس کے کان بھر دیئے جائیں تاکہ اس کے دل میں حضور ﷺ سے (معاذ اللہ) نفرت بیٹھ جائے اور وہ اس طرف کا خیال بھی نہ کرے، مگر اب حضور ﷺ کو (نصیب دشمنان) شہید کر دینے کے منصوبے ہونے لگے۔ مگر خطرہ صرف یہ تھا کہ حضور ﷺ کے خاندان کے آدمی خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور لڑائی چھڑ جائے گی تو اب یہ کوشش ہونے لگی کہ حضور ﷺ کے حمایتیوں کو حضور ﷺ سے چھڑا دیا جائے۔

چنانچہ حضور ﷺ کا مقاطعہ (بایکاٹ) کر دیا گیا اور آپ کے خاندان کے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر آپ کے حمایتی تھے ان سے مطالبہ کیا گیا کہ

(خاکم بدھن) حضور ﷺ کو ہمارے سپرد کر دوتا کہ ہم شہید کر ڈالیں، اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا بھی کھانا پینا بند یعنی مقاطعہ کر دیا جائے گا۔

سوال: مقاطعہ کی کیا شکل ہوئی اور حضور ﷺ کے ساتھیوں نے حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑا یا نہیں؟

جواب: مسلمان تو کیا جو کافر آپ کے حمایتی تھے انہوں نے بھی حمایت نہیں چھوڑی۔ اس پر ان سب کو مکہ مکرمہ کے اس مقام پر ڈال دیا گیا جو شعب ابی طالب کے نام سے مشہور تھا اور عام طور سے بندش لگادی گئی کہ نہ کوئی شخص ملاقات کر سکے، نہ کھانے پینے یا اور کسی قسم کی ضرورت کی کوئی چیز حضور ﷺ تک پہنچا سکے اور اس کے متعلق کافروں کے بڑے بڑے سرداروں نے ایک معاہدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں رکھ دیا۔

سوال: یہ مقاطعہ کب شروع ہوا؟

جواب: نبوت سے ساتویں برس، محرم کے مہینہ میں۔

سوال: اس مقاطعہ یا محاصرہ یا نظر بندی کے زمانہ میں مسلمانوں پر کیسی گزری؟

جواب: دانہ پانی کا پہنچنا بند تھا۔ بھوک سے بچے بلبلاتے تھے۔ وہ کافر جو خاص رشتہ دار تھے ان کی آوازیں سنتے، مگر رشتہ داروں کے خون سفید ہو گئے تھے، یا تو رحم ہی نہ آتا تھا یا معاہدہ کی پابندی نے دلوں سے رحم نکال دیا تھا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر زندگی بسر کی جاتی تھی۔

سوال: سب صحابی محاصرہ میں رہے یا محاصرہ کے علاوہ کوئی اور حکم بھی تھا؟

جواب: حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت بھی دے دی تھی، چنانچہ مسلمانوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

خلاصہ

نبوت سے پانچویں سال میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تین روز بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہو گئے، یہ دونوں حضرات دھاک کے آدمی تھے، مسلمانوں نے پہاڑ کی کھائی سے نکل کر بیٹ اللہ میں عبادت ادا کی۔ کفار نے اسلام کی بیخ کنی کا پوری قوت سے تہیہ کر لیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کا اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کا مقاطعہ کر دیا گیا۔ مکہ کے قریب شعب ابی طالب میں ان کو ڈال دیا گیا۔ بلا لحاظ مذہب حضور ﷺ کے حمایتیوں نے حضور ﷺ کا ساتھ دیا۔ درختوں کے پتے اور گھاس کی جڑیں کھا کر بسر کی۔ حضور ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی بھی اجازت دے دی تھی۔

دوبارہ ہجرت حبشہ

اور مقاطعہ یا حصار کے باقی حالات

سوال: حبشہ کی طرف ۱۰۰۰ ہجرت کب ہوئی، اس کا نام کیا ہے، اس میں کتنے آدمی شریک تھے؟

جواب: یہ واقعہ نبوت سے ساتویں سال پیش آیا، یہی سال مقاطعہ کے شروع کا ہے۔ اس ہجرت کو ہجرت حبشہ ثانیہ کہتے ہیں۔ اور اس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں شریک تھیں۔ اور ان کے علاوہ یمن کے کچھ آدمی یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعرى رضی اللہ عنہ کی قوم کے آدمی بھی ان کے ساتھ مل گئے تھے۔

سوال: یہ حصار کتنے عرصہ باقی رہا اور کون سے سال ختم ہوا؟

جواب: تین برس تک برابر رہا اور نبوت کے دسویں سال اس کا خاتمہ ہوا جب عمر شریف ۵۰ سال تھی۔

سوال: اس مقاطعہ یا حصار کا کس طرح خاتمہ ہوا؟

جواب: کفار قریش نے جب دیکھا کہ ان کی انتہائی سختی بے اثر رہی، اسلام کے پیروں

میں بیڑیاں نہیں ڈال سکے، خدا کی آواز کو روک نہ سکے۔ مسلمانوں کی مظلومیت عام طور سے ظاہر ہونے لگی اور خطرہ ہوا کہ عام عرب والوں کے دل میں ہماری طرف سے اگر نفرت بیٹھ گئی تو اسلام کی ترقی ہوگی، ہماری عزت اور عظمت جاتی رہے گی۔ تو خود قریش ہی کے کچھ کافروں نے اس مقاطعہ کی مخالفت میں آواز اٹھانی شروع کر دی۔ اتفاق سے اس عرصہ میں اس عہد نامہ کے حرفوں کو بھی دیمک نے کھالیا تھا جو مقاطعہ کرنے کے وقت لکھا گیا تھا۔ بالآخر نبوت سے دسویں سال اس ناجائز قید، جس بیجا کا خاتمہ ہوا۔

سوال: اس سال کا حضور ﷺ نے کیا نام رکھا؟

جواب: ”عام الحزن“ یعنی غم کا سال۔

سوال: اس سال کو غم کا سال کیوں کہا گیا؟

جواب: اس وجہ سے کہ حضور ﷺ کی ہمدرد اور جان نثار، عمر بھر کی ساتھی، غم خوار زوجہ یعنی حضرت خدیجہ فاطمہ کی وفات اس ہی عرصہ میں ہو گئی جنہوں نے اپنی تمام راحت اور چین اور تمام ثروت اور دولت اسلام پر قربان کر دی تھی اور ہر مصیبت میں نہایت غم خواری اور دردمندی سے حضور ﷺ کا ساتھ دیا کرتی تھیں، اور اسی سال حضور ﷺ کے چچا ابوطالب کا بھی انتقال ہو گیا۔ وہ اگرچہ کافر ہی مرے، مگر اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کی حمایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ مقاطعہ کے زمانہ میں تین برس برابر حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہے اور چونکہ کفار ان کا خیال کرتے تھے اس وجہ سے اکثر لوگ حضور ﷺ کو کھلے بندوں ستانے میں آزادی سے کام نہیں لیتے تھے۔ کسی درجہ لحاظ بھی کر لیا کرتے تھے۔

سوال: حضرت خدیجہ فاطمہ کی وفات پہلے ہوئی یا ابوطالب کی اور ان دونوں کی وفات

میں کتنے دنوں کا فاصلہ تھا؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا کی وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تین دن پہلے ہوئی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین دن بعد۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کون سے مہینہ میں ہوئی اور وہ کہاں دفن ہوئیں اور حصار سے رہائی کے بعد یہ واقعہ ہوا یا پہلے؟

جواب: رمضان شریف میں اور مقام حجون میں دفن ہوئیں اور یہ واقعہ رہائی سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔

سوال: کافروں کی تکلیفوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ کی کس طرح دل داری کی گئی اور کیا کیا انعام حضور ﷺ پر نازل ہوئے؟

جواب: یہی زمانہ ہے جس میں معراج کی دولت حضور ﷺ کو عنایت فرمائی گئی۔ یہ دولت ہے کہ کائنات عالم میں نہ کسی کو اس وقت تک عنایت کی گئی تھی نہ آئندہ کی جائے گی۔

معراج ہی کے سلسلہ میں حضور ﷺ کو تمام انبیاء کا امام بنایا گیا اور جسمانی طور پر جسد اطہر کے ساتھ حضور ﷺ کی رسائی ان مقامات پر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ روحانی طور پر بھی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

حضور ﷺ کی معراج شریف سے پہلے دنیا محض سنا کرتی تھی کہ دوزخ اور جنت ہے اور آخرت کے معاملات برحق ہیں۔ کسی نے نہ دوزخ کو دیکھا تھا نہ جنت کو، نہ آخرت کے عذاب یا ثواب کو۔ حضور ﷺ کو دوزخ اور جنت کی سیر کرا کے اور آخرت کے عذاب اور ثواب کا نظارہ دکھا کر ایک چشم دید شاہد دنیا کو عطا کیا گیا۔

اسی سلسلہ میں حضور ﷺ کے تمام نام لیواؤں پر اللہ کا سلام نازل ہوا اور پانچ

وقت کی نمازیں عنایت فرمائی گئیں جو مومن کیلئے معراج قرار دی گئیں اور بتایا گیا کہ اس مختصر عبادت میں بندہ احکم الحاکمین جل مجدہ سے خطاب کرتا ہے۔

سوال: ابوطالب مسلمان کیوں نہیں ہوئے؟

جواب: ناک کٹ جانے اور برادری اور قوم کے طعن کا خوف انسان کو ہزاروں نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے، نزع کے وقت بھی جب حضور ﷺ نے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے فرمایا تو باوجودیکہ ابوطالب اس کی سچائی پہچانتے تھے، مگر یہی جواب دیا کہ برادری کے آدمی طعنہ دیں گے کہ اتنا بوڑھا آدمی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اپنے پالے ہوئے بچے کے دین میں داخل ہو گیا۔ جو لوگ رسم دنیا کی پابندی فرض سمجھتے ہیں وہ ابوطالب کے واقعہ کو یاد رکھیں اور غور کریں کہ برادری کا خوف کس طرح جنت کی نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

سوال: ابوطالب نے کتنی عمر میں وفات پائی اور حضور ﷺ سے کتنے بڑے تھے؟

جواب: ابوطالب حضور ﷺ سے ۳۵ برس بڑے تھے۔ اس حساب سے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت کتنے بچے چھوڑے؟

جواب: چار صاحبزادیاں اور پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے جن کا نام ’ہند‘ تھا۔

سوال: لڑکیوں میں سے کس کس کی شادی ہو چکی تھی؟

جواب: حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی۔ باقی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کنواری تھیں۔

سوال: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور ﷺ نے دونوں صاحبزادیوں کی

دیکھ بھال اور پرورش کا کیا انتظام کیا؟

جواب: کچھ عرصہ تک تو آپ خود ہی خیال رکھتے تھے، مگر چوں کہ اسلام کی تبلیغ میں حرج

ہوتا تھا۔ ایک طرف خدا کا یہ حکم کہ خداوندی احکام کو بے دھڑک ڈنکے کی چوٹ پر لوگوں کو سناتے رہو۔ دوسری طرف کافروں کی بڑھتی ہوئی دشمنی سے یہ خطرہ کہ موقع پا کر بال بچوں کو اپنی دشمنی کا شکار نہ بنالیں۔ لہذا حضور ﷺ نے ایک بیوہ عورت سے نکاح کر لیا۔ جن کا محترم نام حضرت سودہ تھا۔

سوال: ابوطالب کی وفات کے بعد قریش نے حضور ﷺ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟
جواب: قریش کے لیے تھوڑی بہت جو کچھ رکاوٹ تھی ابوطالب کی وفات سے وہ بھی اٹھ گئی اور اب کھلے بندوں حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچانے میں بالکل آزاد ہو گئے۔

سوال: حضور ﷺ نے تبلیغ کی کیا شکل اختیار کی؟
جواب: مکہ کے لوگوں پر جب کوئی اثر نہ پایا تو حضور ﷺ نے خیال کیا کہ ممکن ہے قریب کی کسی دوسری آبادی میں کچھ اثر ہو تو آپ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو سمجھانا شروع کیا، مگر ان کم بختوں نے مکہ والوں سے بھی زیادہ تکلیفیں دیں۔ ایک دن بد معاشوں کو اشارہ کر دیا جو جھولیوں میں پتھر بھر کر بازار میں دونوں طرف کھڑے ہو گئے۔ حضور ﷺ جس طرف جاتے حضور ﷺ پر پتھر برساتے، بدن مبارک خون میں نہا گیا تھا۔ جوتیاں خون سے بھر گئیں تھیں۔ بار بار سر چکراتا اور اللہ کا سب سے پیارا نبی زمین پر بیٹھ جاتا، مگر وہ دونوں بازو پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پھر اس طرح گستاخیاں کرتے۔ آپ مجبور ہو کر مکہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال: اس سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ کون تھے اور کتنی مدت حضور ﷺ نے طائف میں قیام کیا؟

جواب: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ تھے اور ایک ماہ حضور ﷺ نے طائف میں قیام کیا۔

سوال: اس بلا پر اللہ کا ظاہری احسان کیا ہوا؟

جواب: واپسی پر جب حضور ﷺ ”نخلہ“ مقام پر صبح کی نماز پڑھ رہے تھے جنات نے قرآن شریف سنا اور وہ ایمان لے آئے اور پہاڑوں کے نگہبان فرشتہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر حکم ہو تو ان تمام گستاخوں کو دو پہاڑوں کے بیچ میں لا کر خدا کے حکم سے سب کو تباہ کر دیا جائے۔ مگر حضور ﷺ کا جواب یہ تھا: ”ایسا ہرگز نہ کرنا، اگر وہ مسلمان نہیں ہوئے تو ممکن ہے کہ ان کی نسل میں کوئی ایمان لے آئے۔“ مگر خدا نے قریب قریب ان ہی سب لوگوں کو ایمان کی توفیق عنایت فرمائی۔

خلاصہ

نبوت سے ساتویں سال میں تقریباً سو آدمی دوبارہ ہجرت کر کے حبشہ گئے، ان میں ۸۳ مکہ کے تھے اور بہت سے یمن کے، اس سال محرم کے مہینہ سے حضور ﷺ کا پنجابی مقاطعہ شروع ہو گیا جو برابر تین سال تک رہا۔ اور حضور ﷺ اور آپ کے حمایتیوں نے ہزاروں قسم کی مصیبتیں اور بھوک اور پیاس کی ہزاروں پریشانیاں جھیلیں۔ بچے بھوک سے لمبلاتے تھے اور بڑے درختوں کے پتے اور جڑیں کھا کر بسر کرتے۔ حضور ﷺ کی عمر جب پچاس سال کی تھی تو تین سال کے بعد یہ حصار یا مقاطعہ ختم ہوا۔ مگر رہائی سے تھوڑے ہی دن بعد ابوطالب اور پھر تین دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔ اس وجہ سے حضور ﷺ نے اس سال کا نام غم کا سال رکھا۔

اسی حصار کے زمانہ میں حضور ﷺ کو معراج عطا کی گئی۔ ابوطالب نے ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ”ہند“ جو پہلے شوہر سے تھا اپنے پیچھے چھوڑے۔

لڑکیوں میں سے دو کی شادی ہو چکی تھی، باقی دو کی نگرانی اور خدمت کے خیال سے حضور ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی جو ایک بیوہ مسلمان عورت تھیں۔ اس کے بعد حضور ﷺ تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گئے، مگر وہاں بہت سی مصیبتیں حضور ﷺ کو برداشت کرنی پڑیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نُحَمِّدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

نذر

گدائے بے درماں ”محمد میاں“ ایسی حالت میں کہ بیچارگی اپنی حد پر ہے اور علمی فرومانگی کے ساتھ کتابی بے سرو سامانی اپنی انتہا پر سیرت قدسیہ، حیات نبویہ کے متعلق ایک ناچیز ہدیہ ”بارگاہ عرش جاہ، رفعت پناہ، سریر آرائے منصہ لولاک، نزہۃ فرمائے عرش بریں و اوج افلاک، سرور کائنات، فخر موجودات، شاہ کون و مکاں، آقائے دو جہان، محبوب احسن الخالقین، حضرت ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین“ (فداہ روحی و ابی و امی ﷺ) پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

ذرۂ بے مقدار اور رونمائی آفتاب عالم تاب، یقیناً گستاخانہ جسارت ہے، مگر رحمت کاملہ کے بحر بے پایاں کی جناب میں ہزار احترام مؤدبانہ عرض ہے:
بداں راہ بہ نیکاں بہ بخشد کریم
اور پھر استدعا ہے:

آنا فکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشہ چشمی بما کنند
مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اعتذار

اور ناظرین کرام سے عرض معروض

(۱)

قارئین کرام! سیرت قدسیہ کا پہلا حصہ پیش کرنے کے وقت بھی عدم فرصت، کثرت مشاغل، تشعب حالات، تفرق خیالات کی شکایت تھی، سخت افسوس ہے کہ آج جب کہ توفیق ایزدی دوسرا حصہ پیش کیا جا رہا ہے تو وہ شکایتیں کم نہیں، بلکہ کتابی بے سروسامانی کا اضافہ بھی ان میں منسلک ہو گیا جو کچھ اس وقت پیش کیا جا رہا ہے، وہ یا تو متفرق مگر غیر کافی پس انداختہ یادداشتوں کا اندوختہ ہے یا صرف ایک عربی کتاب ”زاد المعاد“ کا اقتباس کردہ مادہ۔ دور حاضر میں یہ مجبوری اور تاخیر میں وعدہ خلافی، یہ ضرور ہے کہ جو کچھ حیطہ تحریر میں لایا گیا وہ صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف، جمع الفوائد، سرور المحزون (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)، دروس التاریخ الاسلامی، شمائل ترمذی، مبسوط مصنفہ حضرت شمس الامامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ، بدائع الصنائع (کتاب الجہاد)، در مختار وغیرہ وغیرہ معتمد کتابوں سے یقینی اخذ کردہ ہے اور جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ بھی ہوا اس کو ساقط کر دیا گیا، مگر افسوس یہ ہے کہ جدید جلا پیدا نہ کر سکا کیونکہ حالات حاضرہ میں وہ کتابیں نہ احقر کے پاس موجود تھیں اور نہ کچھ عرصہ تک سامنے آ سکتی ہیں۔ لہذا اگر کوئی فروگزاشت ہو تو جملہ ناظرین کرام سے بہ صد ادب اصلاح کی استدعا ہے۔

(۲)

ایک ضرورت کا علم اور اظہار

نوجوانان ملک کے حالات کا صحیح تجربہ کرتے ہوئے اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ عموماً باشندگان ہند کی نوجوان ذہنیت صداقت کی طالب ہے اور تحقیق کی خواہاں، دور انقلاب میں تعجب نہیں ایک کیساتھ چند انقلاب پیدا ہو جائیں، مگر جس چیز کا اظہار کرتے ہوئے نہایت رنج اور افسوس پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ عموماً نوجوانان اسلام بھی حضور ﷺ کے حالات تک سے ناواقف ہیں۔

جب تبلیغ و اشاعت کی کو تاہی مسلم نو جوانوں کی واقعیت سے بھی کوتاہ ہے تو اگر غیر مسلم نو جوان سوال کریں کہ آپ کس کے پیرو ہیں، ان کے حالات کیا تھے، ان کی تعلیم کیا تھی، عقائد کیا تھے؟ تو کوئی تعجب نہیں۔

خلف، سلف کے طرز و طریق کا آئینہ ہونے چاہئیں، مگر یہاں معاملہ دن اور رات، اجالے اور اندھیرے کے مقابلہ کا ہے۔ مسلمانوں کے اخلاق حاضرہ میں جاذبیت کا نام نہیں، کشش کا پتہ نہیں۔ ہاں! وہ نفرت انگیزی کے ضرور ٹھیکہ دار ہیں۔ ایسی حالت میں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح موجودہ کتاب عام اور سادہ زبان میں بچوں اور مستورات کے لیے سوال و جواب کی شکل میں لکھی گئی ہے اسی طرح ایک دوسری کتاب سوال و جواب سے سادہ کر کے ایسی زبان میں لکھی جائے کہ جس کو ہر قوم کا چھوٹا بڑا بے آسانی سمجھ سکے، صرف اردو جاننا شرط ہو اور اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اردو خط کے ساتھ دوسرے صفحہ پر یا کسی اور صورت سے ناگری خط بھی ہو تاکہ دیگر اقوام کے افراد بھی بے آسانی پڑھ سکیں۔ کیا مسلمانان ہند اس کے متعلق غور فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے اور کیا اپنے مفید مشورہ سے ہمیں استفادہ کا موقع عنایت کریں گے؟

(۳)

حضور ﷺ کی مبارک زندگی پیش کرنے کے بعد قدرنا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی تعلیم کیا تھی، عقائد کیا تھے، کیا چیز لے کر دنیا کے سامنے آئے اور کیا سکھا گئے؟ اس کے متعلق اس ہی طرز پر (جس کا کسی قدر اندازہ آپ تیسرے حصہ سے لگا سکتے ہیں) ایک مختصر رسالہ کا خیال ہے۔ اللہم وفِّ.

کیا مسلمانان ہند حاضرہ حصوں کی قدر فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور آئندہ ارادہ کو استحکام عطا کریں گے؟

بِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَعَلِیْهِ التَّكْلَافُ

کتبہ

محمد میاں عفی عنہ

تمہید

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.
نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ.

حق و باطل کی جنگ

صدائے حق اور اس پر حملوں کے مراتب
جہاد کے مختلف منازل اور تبلیغ کے مدارج

حضور رسالت پناہ رحمت عالمین ﷺ کی تلی زندگی کے خاتمہ پر جب کہ مدنی زندگی کا افتتاح ہو رہا ہے تو غیر مناسب نہ ہوگا اگر حق و باطل کی جنگ پر ایک سرسری نظر ڈال کر انقلابات اُمم کے مختلف ادوار اور احوال کے لیے کوئی سبق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس موقع پر یہ صفائی سے کہہ دینا ضروری ہے کہ تحریر ہذا کا تعلق محض غور و فکر سے ہے، اتباع سے نہیں، ہاں! یہ ضرور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پاک زندگی اور حیات طاہرہ میں تدبر اور تعقیق ہی اعلیٰ اتباع ہے اور کامیابی۔ یہ ایک بے نقاب حقیقت ہے کہ جب باطل کی حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے کوئی صدائے صادق بلند ہوتی ہے تو باطل کا نڈی دل لشکر اول چاہتا ہے کہ اس کو اس کے خخرج ہی میں گھونٹ دے۔ دورِ حاضر کی اصطلاح میں اس کے لیے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ لیکن صادق صدا ایک خود رو درخت سے بھی زیادہ اپنے اندر بالیدگی رکھتی ہے، صداقت پسند قلوب سے اس کا اُبلا چشموں کے فواروں سے بہت زیادہ تیز ہوتا ہے۔ اس کا قدم ایسی دفعات کے حصار میں محصور نہیں ہو سکتا۔ اس کی روک تھام کے لیے پچھلے طرز کو باقی رکھتے ہوئے باطل دوسرا پینتر ابدلتا ہے اور وہ یہ کہ اس کے منبع اور خرج کو گندا ثابت کرے، اس کے

متعلق برے خیالات پھیلائے اور بدگمانیوں کا میلا لگا دے، لیکن صداقت ابتدا میں تیز و تند آندھی یا موسلا دھار بارش نہیں ہوتی، بلکہ وہ آفتاب کی ہلکی کرن ہوتی ہے جس کی قوت بخش ’درخشاں تپش‘ باطل کی کمبلی کو اپنے ہاتھ سے نہیں اُتارتی، بلکہ باطل پوش کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس کو گراں سمجھنے لگے۔ اور اگر کچھ بھی احساس اس میں ہے تو خود سے اتار پھینک دے۔

صدائے صداقت کی یہ خاموش طاقت جب باطل کے اس پینترے سے بھی ہارتی نہیں اور نیچے نیچے جڑ پکڑنے لگتی ہے تو تیسرا قدم تعذیب اور سزا دہی کا ہوتا ہے، جس کی ابتدا مار پیٹ اور آئین کے ماتحت قید و بند سے ہوتی ہے، لیکن صداقت کی جفا کشی اور سخت جانی اس کو کھیل سمجھنے لگتی ہے تو باطل ایک اور قدم بڑھاتا ہے اور اب وہ قادرِ مطلق کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور داوڑ خود مختار بن کر صداقت کیشوں کے حقوق رہائش سلب کرنے لگتا ہے۔ ایک طرف ان کو دائمِ احساس یا جلاوطن کر دیتا ہے تو دوسری طرف ان کی جانیدادیں ضبط، گھربارتباہ و برباد کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر صداقت کو بے حیا کیا تو گناہ ہوگا، لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ بہت ہی سخت جان ہے، وہ پتھر کی چٹان سے بھی سخت ہے، لوہا پگھل جاتا ہے، مگر صداقت سزا کی آگ میں، تکالیف اور مصائب کی بھٹی میں اور پختہ ہوتی ہے، وہ نکھر نکھر کر بے غل و غش ہوتی ہے، وہ اس کا کھوٹ جب جاتا رہتا ہے تو اب اور رونق افزوں ہو جاتی ہے، وہ باطل کی ستم ایجاد یوں پر ایک قہقہہ لگا کر اپنی پاکیزگی کا یقین کر لیتی ہے، اس کا استحکام پہلے کی نسبت زیادہ ہو جاتا ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہوتا ہے کہ بھیڑ چھٹ کر خلاصہ رہ جاتا ہے، نمائش کا فور ہو جاتی ہے، مغز بقا اختیار کر لیتا ہے۔

اب باطل بھنا جاتا ہے، وہ اپنی طاقت کو کند دیکھ کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے، اس کے قہر کے باد پا گھوڑے آتش پا ہو جاتے ہیں، وہ جھنجھلاتا ہوا اپنی جبروتی طاقت کی چمک دکھانے کے لیے میان سے تلوارِ سونت لیتا ہے اور صداقت کے سر پر گرج کر اس کی بربادی

کا بیڑہ اٹھاتا ہے۔ وہ ایک خون نہیں صد ہا خون، مگر معصوم خون کے لیے ٹھل جاتا ہے، وہ خیال نہیں کرتا کہ اس شدہ لہو اور پاک خون کا سرخ داغ اس کے دامن پر باقی رہے گا، وہ کہتا ہے: ”جو کچھ ہو، سو ہو مجھے اپنی بقا چاہیے، نیک نامی میرے لیے مفید نہیں۔ مُردہ دوزخ میں جائے یا جنت میں، میری بقا اس ہی میں ہے جو میں کر رہا ہوں۔“

لیکن اب صداقت کی جہیں پر بھی بل آتا ہے، وہ بھی تیز نگاہ سے گھورنا شروع کر دیتی ہے، مگر باطل کے شعلہ بار جوش کو دیکھ کر راستہ سے ہٹ جاتی ہے اور پھر اس کے مقابلہ کی پوری طرح طاقت پیدا کرتی ہے۔ یہ آخری منزل کی ابتدا ہوتی ہے جسکی ابتدا جنگ ”قتل و قتال“ اور ”جہاد“ ہوتی ہے۔ صداقت کی کنتی ابتدا میں بہت کم ہوتی ہے، مگر سرفروش، جان برکف۔ باطل کی چمک دمک زیادہ ہوتی ہے، مگر حقیقت کم، وہ کف سمندر ہوتی ہے۔ اب مقابلہ آن پڑتا ہے تو صداقت کیش جماعت موت کو اپنی تمنا بنا کر میدان میں نکلتی ہے، لیکن موت بگڑے ہوئے معشوق کی طرح ان سے روٹھ کر قیوبوں اور صداقت کے دشمنوں سے معافہ کرتی ہے اور اہل حق جماعت فراق کی مستی میں سلامت واپس آ جاتی ہے۔

اس آخری منزل کا نتیجہ صداقت کی کھلی فتح ہوتی ہے اور اس کی بین کامیابی، لیکن ابتدا میں وہ صرف مقابلہ کرنے والوں پر جبروتی شعاعوں کا اظہار کرتی ہے، لیکن اس میں کامیاب ہونے کے بعد بلند آواز سے اعلان کرتی ہے۔ باطل اس لیے نہیں کہ باقی رہے، وہ مٹنے کے لیے ہے، اس کو فنا کیا جائے گا جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ (سورہ یسرا: ۸۱) دنیا آئندہ اُس کی صورت نہ دیکھے گی۔ وَمَا يُبْدِئِ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ۔ (سورہ سبأ: ۳۹)

اس وقت ”حق“ لاکارتا ہے کہ صداقت دینے کے لیے دنیا میں نہیں آئی، وہ بلند ہوگی، اس کا جھنڈا بلند ہوگا اور تمام باطل جھنڈے سرنگوں۔ الْحَقُّ يَعْلَوُ وَلَا يُعْلَى عَلَيْهِ۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○

(آل عمران: ۱۳۹)

”مسلمانو! رومت، غم مت کرو، تم ہی اونچے رہو گے، شرط یہ ہے کہ سچے مسلمان رہو۔“

اس مقصد کی تکمیل کے لیے صداقت اپنا قدم آگے بڑھاتی ہے اور عدل و انصاف، رحم و کرم کو جلو میں لیے ہوئے تمام باطل قوتوں کو، تمام ظالم شوکتوں کو جنگ کا الٹی میٹم دیتی ہے۔ یہ ہے ”جارحانہ جہاد۔“

اس کا دعویٰ ہوتا ہے اور سچا دعویٰ ہوتا ہے کہ جب باطل کے لیے باطل نے انسانی خون کو زمین پر بہایا تو کیا وجہ ہے کہ صادق بزدلی اختیار کرے۔ وہ باطل کے خون کو بہنے والا پانی کیوں نہ بنا دے تاکہ اللہ کی زمین اس کی گندگی سے پاک اور صاف ہو جائے۔

زمین کے بنانے والے کا ارشاد گرامی ہے:

أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ. (سورہ انبیاء: ۱۰۵)

”نیک بندے ہی میری زمین کے صحیح اور جائز وارث ہیں۔“

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ O (سورہ قصص: ۵)

”ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم ان کمزوروں پر احسان کریں جن کو زمین کی سطح پر ذلت

کی ٹھوکریں لگائی جا رہی تھیں، ہم ان کو امام اور امیر بنادیں اور ان ہی کو زمین کا

وارث کریں۔“

الحاصل! مذکورہ بالا تحریر کا مفاد یہ ہے کہ حق و باطل کی جنگ کے سات مرتبے ہوئے:

(۱) (الف) حق کی زبان بندی۔ (ب) حق کی طرف سے غلط خیالات کا پھیلانا،

بدنام کرنا۔ (ج) اس کی آواز کو دوسروں تک نہ پہنچنے دینا، یعنی مجموعوں میں غل غپاڑہ

کرنا، ان کو منتشر کرنا ان کو ناجائز قرار دینا۔

(۲) (الف) قید و بند۔ (ب) زد و کوب، لاشی چارج۔

(۳) جلا وطنی، جائیداد ضبط

(۴) قتل۔

(۵) اہل حق کو جوابی جنگ اور تشدد سے ممانعت کی اجازت۔

(۶) لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم۔

(۷) عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلان جنگ۔

ورطہ تاریخ میں شہداء و حضرات انصاف سے فرمائیں کہ دنیا کا کوئی سچا انقلاب بھی ان مراتب سے خصوصاً آخری مراتب سے خالی رہا ہے؟
اچھا! آؤ اب رسول اللہ ﷺ کی مقدس زندگی کے مطالعہ سے دوبارہ شرف حاصل کریں۔

(۱)

<p>(الف) یعنی حق کی زبان بندی</p>	<p>مکان کی دعوت میں تبلیغ کے موقعہ پر ابولہب کی ڈانٹ ارے کبھت! کیا تو نے ہمیں اسی واسطے جمع کیا تھا (معاذ اللہ)۔ پہاڑی والی تقریر کے بعد کفار کا زغہ وغیرہ وغیرہ</p>
<p>(ب) یعنی حق کی طرف سے غلط خیالات پھیلانا</p>	<p>کفار کا پروپیگنڈا کہ حضور ﷺ کی بات مت سنو، وہ کذاب ہیں وغیرہ وغیرہ جس کے ایک دو واقعات حصہ اول میں گزرے۔</p>
<p>(ج) یعنی مجموعوں میں غل غپاڑہ کرنا، ان کو منتشر کرنا، ان کو ناجائز قرار دینا</p>	<p>حضور ﷺ کے قراءت قرآن اور وعظ کے وقت غل غپاڑہ جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے: لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ○ (سورہ حم السجدہ: ۲۶)۔ پھر مسلمانوں کو مارنا پٹینا خود حضور ﷺ کے ساتھ توہین اور گستاخیاں کرنا وغیرہ وغیرہ۔</p>

۱۔ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ وہ واقعات ذکر کر رہے ہیں جن میں یہ صورتیں پیش آئی ہیں اور آخر میں ہر صورت کی نشاندہی بھی کی ہے۔

(۲)

<p>(الف)</p> <p>یعنی قید و بند</p>	<p>حضرت عثمان غنی <small>رضی اللہ عنہ</small> کو کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دینا، نیچے سے دھواں دینا۔ حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کو مع دیگر حمایتیوں کے محصور کرنا وغیرہ وغیرہ۔</p>
<p>(ب)</p> <p>یعنی زد و کوب لاشی چارج</p>	<p>حضرت بلال، حضرت عمار <small>رضی اللہ عنہما</small> جیسے صحابہ کو مارنا پیننا، حضرت عمار <small>رضی اللہ عنہ</small> کی والدہ محترمہ خاتون جنت مائی <small>نسمیہ بنتی عثمان</small> کو ابو جہل کا شرمناک طرح پر شہید کر دینا۔</p>

(۳)

<p>جلا وطنی، جاسید و ضبط</p> <p>فرق اتنا ہے کہ حکمائ نہیں نکالا، مگر نکلنے پر مجبور کر دینا عملاً جلا وطنی ہے، حکمائ نہ سہی</p>	<p>شعب ابی طالب میں حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا محصور کیا جانا۔ صحابہ کرام <small>رضی اللہ عنہم</small> کا ہجرت کر کے حبشہ جانا۔ پھر آنحضرت <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور صحابہ کا مدینہ جانا۔ انکی جاسیدادوں پر کفار کا قبضہ کرنا۔</p>
---	---

(۴)

<p>یعنی قتل</p>	<p>شب ہجرت سے پہلے دن حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے متعلق واراندہ میں قتل کا مشورہ ہونا، اس کے لیے آمادگی۔</p>
-----------------	--

تنبیہ: اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حکم تھا کہ مشرکین سے اعراض کرو، ان کو معاف کرو۔ ان سے ایسی طرح سے مباحثہ کرو جو بہت ہی بہتر ہو، پھر خداوندی ارشاد کا نازل ہونا کہ

(۵)

<p>یعنی جوابی جنگ کی اجازت</p>	<p>أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بَيْنَهُمْ ظُلُمًا. (سورہ حج: ۳۹)</p> <p>جنگ لڑنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔</p>
--------------------------------	--

(۶)

<p>یعنی لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم</p>	<p>وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ. (سورہ بقرہ: ۱۹۰) جو تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو اللہ کے راستے میں۔</p>
---------------------------------------	---

(۷)

<p>عام طور سے باطل طاقتوں کو اعلان جنگ</p>	<p>وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً. (سورہ توبہ: ۳۶) جو خدا کے وحدہ لا شریک کے شریک مانتے ہیں، جو ظلم و ستم، کذب اور بطلان کی جڑ ہے، ان سے تم جہاد کرو جیسا وہ تم سے جنگ کرتے ہیں۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ. (سورہ بقرہ: ۱۹۳) ان سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد مٹ جائے اور ایک اللہ کے قوانین نافذ ہونے لگیں۔ ظلم و ستم جبر و قہر کی قہر مانی فنا ہو جائے۔</p>
--	---

کاتبِ حروف کا خیال تھا کہ یہ خیالات اس ہی کے ذاتی اختراع ہیں، یہی سمجھتے ہوئے مضمون مرتب کر کے ایک مرتبہ اس کو ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کے غالباً دوسرے جمعہ کو دہلی کی جامع مسجد میں بیان بھی کر چکا تھا، مگر الحمد للہ ثم الحمد للہ غالباً اسی سفر کی واپسی میں ”مبسوط سرخسی“ کی دسویں جلد میں اسکی طرف اشارات پائے اور پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ”زاد المعاد“ میں اس سے مزید تفصیل پائی۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان

عبارتوں کو درج کرتے، اب صرف حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر تردّد ہو رفع کر لیا جائے۔
(مبسوط للرخسی ۳/۱۰-۳، زاد المعاد: ۳/۳-۱۰)

مسلمانوں کے لیے سیاسی سبق:

مکمل شخص کی زندگی مکمل ہوتی ہے اور مکملوں کے سردار کی مقدس حیات تو اور بھی اکمل ہوگی۔ فرق صرف انظار و ابصار کا ہے یا قلتِ جستجو اور کوتاہیِ تتبع کا قصور، جس طرح آج بھمکھند ہر ایک مسلمان ہر ایک رات میں حضور ﷺ کی مقدس زندگی سے سبق حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح سیاسی ماحول کی ہر ایک حالت ہر ایک فضا میں بھی حیاتِ نبویہ اور سیرتِ طاہرہ کی روشنی اس کے راستہ کی تاریکیوں کو اُجالے سے بدل سکتی ہے۔ چنانچہ:

<p>تو کئی زندگی سے سبق حاصل کرے جس میں ارشاد ہے: ان کی تکالیف کے جواب میں بہترین معافی سے کام لیجیے، ان کی گستاخیوں سے اعراض فرمائیے، ان سے بہترین طرز سے مجادلہ اور مباحثہ کیجیے اور حکمت اور موعظہ حسنہ سے ان کو دین کی دعوت دیجیے۔ علامہ ابن قیمؒ نے بیان کیا ہے کہ لڑنا تلوار سے کام لینا اس زمانہ میں ممنوع تھا۔</p>	<p>(۱) اگر وہ محکوم ہے، تنہا بے بس و ناچار اور کفار کے نرغہ میں جکڑ بند ہے</p>
---	--

۱۔ (۱) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ○ (سورہ حجر: ۸۵) (۲) وَاعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ○ (سورہ انعام: ۱۰۶) (۳) ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورہ نحل: ۱۰۶) (۴) اُوراجع الی المبسوط: ج ۱۰، ص ۶ ان أردت مزيد طمأنينة.
۵۔ زاد المعاد: ۳/۳-۳ فیہ وکان ای قتال المشرکین محرماً.

<p>تو حضور ﷺ کی مدینہ کی ابتدائی زندگی سے سبق حاصل کر لے جو بدر سے پہلے تھی، جس میں ایک طرف یہودیوں سے دوسری جانب بنی حمزہ وغیرہ کے مشرکین سے معاہدہ فرمایا اور دشمن کی طاقت کو اس کی شامی تجارت بند کر کے کمزور کیا۔</p>	<p>(۲)</p> <p>اگر کوئی جمعیت رکھتا ہے مگر ناکافی اور بے پناہ، نہ قلعہ بہ نہ محصولات کی آمدنی نہ کوئی سامان</p>
<p>تو بدر کے بعد والی زندگی سے سبق حاصل کر لے۔</p>	<p>(۳)</p> <p>اگر اس کی جمعیت مدافعت کی قوت پا چکی ہے مگر اقدام کی نہیں</p>
<p>تو فتح مکہ اور اس کے بعد کی زندگی سے سبق حاصل کرے۔</p>	<p>(۴)</p> <p>اگر اس کی جمعیت اقدام کی طاقت بھی رکھتی ہے</p>

اے کہ بر تختِ سیادت ز ازل جاداری
آنچہ خواہاں ہمہ دارند تو تہا داری

تبلیغ کے مدارج

اس موقع پر اگر تبلیغ کے مدارج پر کسی قدر روشنی ڈال دی جائے تو بہتر معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شوکت و صداقت کی ترقی اور باطل کی قوت آزمائی کے ساتھ تبلیغ کا دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے۔

چنانچہ تبلیغ کا پہلا مرتبہ:

(۱) اپنی ذات کو تبلیغ یعنی دین حق کا تعلیم و تدبر اور ذاتی آمادگی و تیاری

(۲) خاص رشتہ داروں کو تبلیغ

(۳) اپنی قوم کو تبلیغ

(۴) آس پاس کے عرب کو تبلیغ

(۵) پورے عرب کو تبلیغ

(۶) تمام عالم کو تبلیغ

هذا والسلام

من نہ گویم کہ طاعتم پندیر قلم عفو برگنا ہم کش

کتبہ

محمد میاں غنی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ.
الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّنَا وَرَبِّ الْخَلْقِ. وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الَّذِیْ خَلَقَ لَهُ الْخَلْقَ

حصہ دوم

مدینہ طیبہ میں اسلام

سوال: مدینہ طیبہ میں اسلام کا سلسلہ کس طرح شروع ہوا؟

جواب: حج وغیرہ کے موقعوں پر تمام عرب کے آدمی مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ ان کے سامنے تبلیغ فرمایا کرتے تھے، مگر وہ یہ کہہ کر مذاق اڑاتے کہ پہلے اپنی قوم کو تو مسلمان بنالو۔ نبوت کے دسویں سال خدا کی رحمت نے حج کے بڑے مجمع میں سے چند مدینے والوں کے دل حضور ﷺ کی تبلیغ کی طرف متوجہ کر دیئے۔ حضور ﷺ کے درد آمیز، مشفقانہ وعظ نے ان کے دلوں میں جگہ کر لی اور نسیم رحمت نے ان میں سے دو کو حضور ﷺ کا متوالا بنا دیا۔

سوال: ہر چیز کا کوئی ظاہری سبب ہوا کرتا ہے، اس سال مدینہ والوں کی توجہ کا کوئی ظاہری سبب ہو تو بتاؤ۔

جواب: (۱) باہمی جھگڑے اور اندرونی تباہی بھی ایک تقاضا پیدا کر رہی تھی کہ کسی کامیابی کے راستہ کو تلاش کریں۔

(۲) یہودی قوم جو مدینہ میں رہتی تھی وہ اپنی مذہبی کتابوں کے بموجب یہ خبر دیا کرتی تھی کہ جلد ہی نبی آخر الزماں پیدا ہوں گے اور پھر ہم ان کی پیروی کر کے سب پر غالب ہو جائیں گے۔ انصاری حضرات نے جب آپ میں پوری پوری

۱۔ مثلاً سوق عکاظ، مجنہ، ذی الحجاز وغیرہ۔ (زاد المعاد: ۳/۳۲)

۲۔ زاد المعاد میں تقریباً ۱۵ نام شمار کیے ہیں کہ ان کے سامنے حضور ﷺ نے خود کو اور اپنی دعوت کو پیش کیا، مگر ساتھ ہی ابولہب کی یہ شرارت ہوتی تھی کہ وہ پیچھے لگا ہوا یہ کہتا رہتا تھا کہ معاذ اللہ دین سے بھر گیا ہے، اس کی بات مت سنو۔ چنانچہ وہ یہی جواب دیتے تھے کہ پہلے اپنی قوم کو سنبھالو۔ (زاد المعاد: ۳/۳۲)

سچائی پائی تو یقین کر لیا کہ یہ وہی نبی ہیں اور کوشش کی کہ اس دولت کو سب سے پہلے حاصل کر کے یہودیوں پر پالا جیت لیں۔

سوال: ان دو آدمیوں کے کیا نام تھے؟

جواب: (۱) اسعد بن زرارہؓ (۲) ذکوان بن عبد قیسؓ۔ رضی اللہ عنہما

سوال: یہ آدمی کس قبیلہ کے تھے؟

جواب: قبیلہ اوس کے۔

سوال: ان دونوں بزرگوں نے مسلمان ہو کر کیا کیا؟

جواب: جو ہر مسلمان کا فرض ہے اس کو پوری طرح ادا کیا، یعنی شرم لحاظ، رشتہ ناتہ، جان کا خوف یا مال کا خطرہ؛ غرض تمام چیزوں سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی تبلیغ بڑے زور سے کی اور تمام مصیبتوں کو مردانہ وار برداشت کیا۔

سوال: ان کی کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا اور اس کا پہلا مظہور کیا تھا؟

جواب: ایک سال نہ گزرنے پایا تھا کہ سچائی کی روشنی نے دلوں میں اُجالا پیدا کرنا شروع کر دیا۔ خدا کی رحمت تھی اور ان دونوں بزرگوں کی کوشش کہ اگلے سال پھر اسی موقع پر مدینہ کے آدمی حاضر ہوئے اور ان میں سے چھ یا آٹھ نفوس کھلم کھلا مسلمان ہو گئے۔

۱۔ لیکن عموماً اس بیعت کا ذکر نہیں آتا بلکہ پہلی بیعت وہی ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور ان ہی چھ آدمیوں میں حضرت اسعد بن زرارہ کا تذکرہ بھی ہے اور ذکوان بن قیس کو تیسری بیعت میں شامل کیا ہے۔ نیز یہ کہ یہ مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ ہی رہ گئے، پھر سب کے ساتھ ہجرت کی، چنانچہ انکو انصاری مہاجر کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم! (زاوالمعاد: ۳۳/۳)

۲۔ غور کرو! مدینہ کی اور اسکے آس پاس تمام قبیلوں، قصبات اور دیہات کی زمین کفر سے سیاہ ہوئی پڑی ہے، جس میں ہزاروں اثر دھسے لاکھوں شیر اور بھیڑیے کافر آدمیوں کی شکل میں رینگ رہے ہیں، اس صورت میں کفر کے برخلاف تبلیغ کرنا کس قدر مشکل ہے، مگر یہ دو آدمی ہدایت کا نہ بھجھ سکنے والا چراغ لے کر جاتے ہیں۔ مصیبتوں کی ان گنت آندھیاں ان کو بجھانا چاہتی ہیں، مگر کیا خیال ہے کہ خدا کے پاک بندے اُس سے مس بھی ہو لیں۔

سوال: مسلمان ہونے والے حضرات کی کوششوں کا اگلے سال کیا نتیجہ ظاہر ہوا؟
جواب: تیسرے سال مدینہ کے بارہ آدمیوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔^۱

سوال: بیعت کے کیا معنی ہیں؟
جواب: عہد کرنا، اور اصلی معنی ہیں بیچ دینا۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے آپ کو اس کے ہاتھ بیچ دیتا ہے جس سے بیعت کرتا ہے۔

سوال: اس بیعت کا کیا نام ہے اور کیوں؟
جواب: اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ^۲ کہتے ہیں۔ بیعت کے معنی معلوم ہو چکے۔ عقبہ کے معنی پہاڑ کی گھاٹی اور اولیٰ کا ترجمہ پہلی۔ چوں کہ ایک خاص گھاٹی کے پاس سب سے پہلی بیعت یہی ہوئی تھی اس وجہ سے اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ رکھا گیا۔

سوال: یہ بارہ آدمی کون کون سے قبیلے کے تھے؟ تفصیل وار بیان کرو۔
جواب: دس قبیلہ اوس کے اور دو قبیلہ خزرج کے۔

سوال: اس بیعت میں کن چیزوں پر عہد لیا گیا تھا؟
جواب: (۱) خوشی ہو یا رنج، تنگ دستی ہو یا فراخی؛ ہر صورت میں حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے۔

(۲) اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے، بری باتوں سے روکیں گے۔

(۳) خداوندی دین کے بارے میں کسی شخص کی رنجش، برائی یا ملامت کا کوئی خیال نہ کریں گے۔

۱۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ یہ سب حضرات تموزی عمر ہی کے تھے، بوڑھے نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تو ان کو دیکھ کر مطمئن نہ ہوئے تھے کہ مدینہ کے پرانے آدمی نہیں۔ مگر خدا بوڑھوں کی بہ نسبت جوانی والوں میں جلد روشنی پیدا کرتا ہے۔ (ماخوذ از زاد المعاد: ۳/۳۳) ۲۔ یعنی گھاٹی کے پاس کی پہلی بیعت۔

(۳) جس طرح اپنی عورتوں، بچوں اور اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائیں گے تو حضور ﷺ کی حفاظت کریں گے۔

سوال: حضور ﷺ کی طرف سے ان تمام نصیحتوں کا کیا بدلہ مقرر کیا گیا؟
جواب: جنت۔

سوال: ان حضرات کی تعلیم کے لیے کن کن کو بھیجا گیا تھا؟

جواب: حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: مدینہ آنے والوں کی ترتیب بیان کرو۔

جواب: اول یہ دو حضرات، پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں آدمیوں کے ساتھ، پھر سردار کائنات ﷺ۔

سوال: نئے اور پرانے مسلمانوں کی تبلیغ کا چوتھے سال کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مدینہ والوں کی ایک بڑی جماعت جن کی تعداد ۷۳ تھی، اسی موقع پر حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔

سوال: اس واقعہ کا نام کیا ہے اور کیوں؟

جواب: ”بیعت عقبہ ثانیہ“ کیونکہ ایک خاص گھاٹی کے پاس یہ دوسری بیعت تھی، ثانیہ کے معنی دوسری۔

سوال: یہ بیعت نبوت سے کون سے سال ہوئی؟

جواب: تیرھویں سال۔

سوال: اس بیعت میں کن کن باتوں پر عہد ہوا؟

جواب: شرک، چوری، زنا سے بچیں گے اور قتل اولاد کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ

جو کچھ فرمادیں گے اس سے منہ نہ موڑیں گے۔^۱ اور اپنی عورتوں اور بچوں کی طرح سرور کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کریں گے۔

خلاصہ

حضور ﷺ حج جیسے مجموعوں میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ نبوت کے دسویں سال مدینہ طیبہ کے دو آدمی اسی تبلیغ کے سلسلہ میں مسلمان ہو گئے۔ گیارہویں سال چھ یا آٹھ اور بارہویں سال ۱۴ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس کا نام بیعت عقبہ اولیٰ ہوا۔ اور پھر نبوت سے تیرہویں سال یعنی چوتھی مرتبہ ۷۳ آدمیوں نے بیعت کی جس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہوا۔

وطن سے جدائی

مکہ سے ہجرت اور مدینہ کی طرف روانگی

سوال: رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ سے کیوں ہجرت فرمائی؟

جواب: کیونکہ تین سال کے تجربہ نے بتا دیا تھا کہ مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے تبلیغ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور ترقی اسلام کی صرف یہی صورت ہے کہ مکہ سے ہجرت کی جائے۔

۱۔ خوشی ہو یا رنج، تنگ دستی ہو یا فراخی، ہر صورت میں حضور ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کریں گے، اچھی باتوں کی تبلیغ کریں گے، بری باتوں سے روکیں گے۔ (زوال العاد: ۳/۳۴)

۲۔ گزشتہ واقعات سے معلوم ہو گیا تھا کہ کفار مکہ کے سخت اور سیاہ دل، نبوت کی دھیمی اور سہانی روشنی سے اس وقت تک سیاہی اور خنقی دور نہ کر سکیں گے جب تک اس کے ساتھ جلالی کرنوں کی بوچھاڑ بھی نہ ہو اور اس طرف مدینہ طیبہ میں نبوت کے نور سے دن دگنی رات چوگنی جگمگاہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کا چرچا ہو گیا تھا اور پروانوں کی طرح ہر ایک کی دلی تمنا ہو گئی تھی کہ نور نبوت کا آفتاب ہماری ہستی میں آجائے۔ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں وفاداری اور جانشیری کا پورا پورا معاہدہ ہو چکا تھا اور توقع ہو گئی تھی کہ اس ہجرت کے بعد اسلام اپنی جلالی اور قہری شان بھی دکھائے گا۔ گویا ترقی اسلام کا صرف یہی راستہ رہ گیا تھا، لامحالہ اس ہی کو اختیار کیا گیا۔

سوال: مکہ سے روانگی اور سفر کی کیفیت مختصر طور پر بیان کرو۔

جواب: خداوندی حکم کے مطابق حضور ﷺ نے اول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پوشیدہ طور سے روانگی کا حکم دیا۔ ایک ایک دو دو کر کے سب حضرات ہجرت کر گئے، صرف رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور وہ کمزور لوگ جو ہجرت کرنے سے معذور تھے مکہ میں رہ گئے۔

کفار مکہ کو جب اس کا علم ہوا تو فوراً دارالندوہ (کمیٹی گھر) یعنی اس مقام میں جہاں بڑے بڑے معاملات پر مشورہ ہوتا تھا، مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کا جلسہ ہوا۔ ابو جہل کی تجویز کے مطابق رائے ہوئی کہ آج شب کو ہی حضور ﷺ کو شہید کر کے اسلام کا قصہ ختم کر دیا جائے، طے یہ ہوا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے اس ہنگامہ میں شریک ہو، تاکہ پھر کسی قبیلہ کو اعتراض کا یا بدلہ لینے کا موقع نہ رہے۔ خداوند عالم نے حضور ﷺ کو اُن کے مشورہ کی اطلاع فرمادی۔ خداوند عالم کے ارشاد کے بہ موجب حضور ﷺ نے اسی شب کو ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔ صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ چلنے کے شوق میں ٹھیرے ہوئے تھے اور پہلے سے راستہ بتانے والے شخص اور دو ساندنیوں کا انتظام کر چکے تھے۔

رات کی اندھیری کے ساتھ ساتھ کافروں جو انوں کے دستے بھی حریم نبوت کے چاروں طرف چھپ کر بیٹھ گئے کہ آخری رات کی خاموشی میں رسالت کی آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔ اسی اندھیری کے درمیانی حصہ میں جب حضور ﷺ نے دولت کدہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم فرمایا کہ چادر اوڑھ کر حضور ﷺ کے بستر پر لیٹ جائیں تاکہ گھر میں نہ ہونے کا کسی کو پتہ نہ چل سکے۔

اسلام کی فداکاری کا بہترین نمونہ ہے کہ کم سن نوجوانؑ جو دنیا کی زندگی کا بہت کچھ آرزو مند ہو سکتا ہے اور جس کا سینہ ہزاروں اُمتگوں کا گہوارہ بنا ہوا ہوتا ہے وہ اپنے روحانی آقا کے حکم پر بے دھڑک اس بستر پر لیٹ جاتا ہے، جس کے متعلق یقین تھا کہ صبح ہونے سے پہلے ایک مذبح بن جائے گا جو رات کی بے دردی پر خون کے سرخ آنسو بہا رہا ہوگا۔

بہر حال حضور ﷺ دروازہ پر تشریف لائے۔ کفار نے وہاں بھی جھگھا کر رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے سورہ یٰسین شریف کی تلاوت شروع فرمائی اور فَأَعْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (آیت ۹) کئی مرتبہ دہرایا۔

خداوند عالم نے انکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ انکی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے آئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور راستہ بتانے والے کے ہمراہ مدینہ کے راستہ پر روانہ ہو گئے۔ کچھ آگے چل کر ٹور پہاڑ کے ایک غار میں قیام فرمایا۔

قریش کے ان غافل نوجوانوں اور بوڑھے مدبروں کو جب اپنی شکست کا پتہ چلا تو بہت پریشان ہوئے اور چاروں طرف دوڑنا شروع کیا، اعلان کیا گیا کہ جو شخص حضور ﷺ (روحی فداہ) کو پکڑ کر لائے اس کو سوا نوٹ انعام دیئے جائیں گے۔ ایک جماعت نشان قدم پر اندازہ لگاتی ہوئی غار کے منہ پر جا پہنچی، اگر وہ ذرا جھکتے تو یقیناً حضور ﷺ کو دیکھ لیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پیروں کو غار کے اندر سے دیکھ رہے تھے اور اس خیال سے گھبرا رہے تھے کہ ان میں سے کوئی حضور ﷺ کو دیکھ کر تکلیف پہنچائے۔ حضور ﷺ نے ان کو تسکین دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ”گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ خدا کی قدرت ایک مٹری نے غار کے منہ پر جالاتن دیا اور فوراً کے فوراً ایک کبوتر نے گھونسلہ بنا لیا تھا۔ جس سے دیکھنے والوں کو حضور ﷺ کے موجود ہونے کا وہم بھی نہ ہوا۔ لطیفہ یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں میں سب سے زیادہ چست و چالاک ”امیہ بن خلف“ تھا، وہی بولا کہ ”چلو! یہاں نہیں ہو سکتے۔“

سوال: رسول اللہ ﷺ نے اس غار میں کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: تین دن۔

سوال: غار سے روانگی کس طرح ہوئی؟

جواب: تیسرے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ”عامر بن فہرہ“ دونوں اونٹنیاں لے کر پہنچا اور یہ حضرات مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بہت سے معجزات حضور ﷺ سے ظاہر ہوئے جو بڑی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں۔

سوال: غار سے روانگی کی کیا تاریخ تھی اور کونسا دن؟

جواب: ۴ ربیع الاول، پیر کا دن۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑنے میں اور کیا مصلحت تھی؟

جواب: مکہ مکرمہ کے کفار اگرچہ حضور ﷺ کے دشمن تھے، مگر اس قدر اطمینان اور بھروسہ بھی تھا کہ حضور ﷺ کے پاس ہی امانتیں رکھاتے تھے، ان امانتوں کو پہنچانے کے لیے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وہاں چھوڑ دیا تھا۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور ﷺ کی خدمت میں کب حاضر ہوئے اور کہاں؟

جواب: حضور ﷺ کے پہنچنے سے تین دن بعد مقام ”قبا“ میں۔

سوال: جب تک حضور ﷺ غار میں ٹھہرے رہے اس وقت تک آپ کے پاس خبریں پہنچنے اور کھانے پینے کا کیا انتظام رہا؟

جواب: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رات کو خفیہ طور سے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے اور دن بھر کی تمام خبریں حضور ﷺ کو سنا کر صبح سے پہلے مکہ واپس پہنچ جاتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا رات کو کھانا پہنچاتی تھیں۔

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ راستہ بتانے والے کون تھے؟

جواب: عبداللہ بن اریقہ بن کواسی کام کے لیے اجرت دے کر ساتھ لیا تھا۔

سوال: اس سفر میں کل کتنے آدمی تھے؟

جواب: چار یعنی چوتھے عامر بن فہیرہ، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے غلام۔

سوال: راستہ میں کھانے پینے کا کیا انتظام ہوا؟

جواب: کسی جگہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دودھ وغیرہ خرید کر ناشتہ کا انتظام کیا اور

بعض جگہ معجزات کے ذریعہ خداوندِ عالم نے اپنے خاص بندوں کا انتظام فرمایا۔

سوال: اس سفر میں کتنے روز صرف ہوئے؟

جواب: مشہور قول کے بموجب چاروں۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے مدینہ سے پہلے کسی اور جگہ بھی قیام فرمایا؟

جواب: مقام ”قبا“ میں۔

سوال: ”قبا“ مقام کہاں ہے اور حضور ﷺ نے وہاں کس کے ہاں قیام فرمایا؟

جواب: ”قبا“ مدینہ سے اوپر کی طرف ایک بستی ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ نے

بنو عمر و بن عوف کے قبیلہ میں قیام فرمایا۔

سوال: حضور ﷺ کے قبائیس داخلہ کا دن اور تاریخ کیا تھی؟

جواب: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ۱۲ ربیع الاول پیر کا دن ہے۔ موسیٰ خوارزمی کا

لہٰذا جب حضور اکرم ﷺ اُمّ معبد کے خیمہ پر پہنچے تو وہاں کچھ سامان نہ تھا۔ خود اُمّ معبد ہی فاقہ سے تھیں۔ شوہر باہر

گئے ہوئے تھے، حضور ﷺ نے قیام فرمایا، اُمّ معبد نے معذرت کی کہ میں اپنے معزز مہمانوں کی خدمت نہیں کر سکتی۔

البتہ خیمہ حاضر ہے، آرام فرمائیے، حضور ﷺ وہاں لیٹے تو کنارہ پر ایک دہلی پتلی بکری نظر پڑی، معلوم ہوا کہ اس کا

دودھ بھی خشک ہو گیا ہے، حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دودھ دوہا، سوکھی بکری نے اتنا دودھ دیا کہ سب سیر

ہو گئے اور ایک بھرا ہوا ڈونٹا اُمّ معبد کے شوہر کے لیے بچا لیا گیا۔ ۱۔ زاد المعاد: ۳/۳۰ ۲۔ زاد المعاد: ۱/۶۵

قول ہے کہ ۸ ربیع الاول جمعرات کا دن اور فارسی ماہ ”قیر“ کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ”ایلول“ ۷۳۳ اسکندری کی دسویں تاریخ۔

سوال: مقام قبائیں حضور ﷺ نے کتنے روز قیام فرمایا؟

جواب: روایتیں مختلف ہیں: ۱۳ یا ۱۴ یا ۱۵ یا ۲۲ روز۔

سوال: قبائیں حضور ﷺ نے کیا کیا؟

جواب: ایک مسجد تعمیر کی جس میں شاہ دو جہاں بھی دوسرے لوگوں کی طرح پتھر اور مٹی ڈھور رہے تھے۔ وہاں حضور ﷺ نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، تقریر فرمائی۔

سوال: اس سے پہلے بھی حضور ﷺ نے کوئی مسجد تعمیر کی؟

جواب: نہیں، یہ مسجد حضور ﷺ کے دست مبارک کی سب سے پہلی مسجد تھی۔ اور یہ تقریر آزاد اسلامی جلسہ میں سب سے پہلی تقریر۔

سوال: قبائیں حضور ﷺ نے کس جگہ قیام فرمایا؟

جواب: وادی بنی سالم کے درمیانی حصہ میں۔

سوال: مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کون سی تاریخ کو داخل ہوئے؟

جواب: ۲۷ ربیع الاولؑ کو، باقی اس بارہ میں مختلف قول ہیں۔ البتہ یہ بات عام طور سے مشہور ہے کہ ربیع الاول ہی میں مکہ سے حضور ﷺ روانہ ہوئے اور ربیع الاول ہی میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے، مفصل اختلافات بڑی کتابوں میں درج ہیں۔

۱۔ لیکن پیر کے روز اگر حضور ﷺ قبائیں تشریف لے گئے تو چار روز کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ابن اسحاق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ پیر، منگل، بدھ، جمعرات حضور ﷺ نے قبائیں قیام فرمایا۔ (زاد المعاد: ۳/۴۳) اور اگر جمعرات کے روز تشریف لے گئے تو ۱۴ یا ۲۲ کی، کیونکہ یہ قریب قریب مسلم ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے روز مدینہ میں داخل ہوئے، راستہ ہی میں بنو سالم کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھی۔ واللہ اعلم!

۲۔ زاد المعاد: ۱/۲۵ ۳۔ دروس تاریخ الاسلامی۔ زاد المعاد: ۱/۲۵

۴۔ بموجب قول علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ، ملاحظہ ہو، زاد المعاد: ۱/۲۵

سوال: مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کا کونسا دن تھا؟

جواب: جمعہ۔

سوال: حضور ﷺ نے جمعہ کی نماز کہاں پڑھی اور حضور ﷺ کے ساتھ اس وقت کتنے آدمی تھے؟

جواب: بنی سالم کی مسجد میں، اور حضور ﷺ کے ساتھ سو آدمی تھے۔

سوال: مدینہ پہنچ کر حضور ﷺ نے کس کے مکان پر قیام فرمایا اور کتنی مدت؟

جواب: حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر حضور ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا اور بعض روایتوں میں چھ اور سات ماہ بھی آتا ہے۔

سوال: اس جگہ قیام فرمانے کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: مدینہ طیبہ میں جب مقدس آفتاب داخل ہوا تو ہر ایک شخص کی آرزو تھی کہ ہمارا گھر اس کا مقام بن جائے۔ چنانچہ اصرار ہونے لگا اور حضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار پر کھینچا تانی ہونے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چھوڑ دو، جہاں یہ بیٹھ جائے گی وہاں میں ٹھہروں گا، ایسا ہی حکم ہے۔ وہ اتفاق سے بنو نجار قبیلہ میں ٹھہری جہاں حضور ﷺ کی تنہیاں بھی تھیں۔ آپ ان ہی لوگوں میں سے حضرت ابوالیوب رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم ہو گئے۔

سوال: اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ خاص کونسی تھی؟

جواب: جہاں حضور ﷺ کی مسجد ہے۔

سوال: یہ کس کی زمین تھی اور حضور ﷺ نے کیسے لی اور کس طرح اور کس چیز کی مسجد بنائی؟

جواب: قبیلہ بنو نجار ہی کے دو یتیم لڑکے تھے: سہل اور سہیل، ان کی یہ زمین تھی۔ ان

دونوں کی یہ خواہش تھی کہ حضور ﷺ مفت لے لیں۔ مگر حضور ﷺ نے قیمت لینے پر ان کو مجبور فرمایا جو دس دینار طے ہوئے اور پھر مسجد قبا کی طرح سب نے مل کر یہ مسجد بھی بنائی اور اُس کے ایک جانب اپنی بیویوں کے لیے مکان بنائے، یہ تمام تعمیر کچی اینٹوں اور کھجور کے پتوں کی تھی۔

سوال: سب سے پہلا شخص کون ہے جس نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی؟

جواب: حضرت ابوسلمہ بن عبدالاشہل مخزومی یا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما۔

سوال: مدینہ کی لڑی مسجد ہے اس میں سب سے پہلے قرآن شریف پڑھا کیا؟

جواب: بنو زریق کی مسجد۔

سوال: سنہ ہجری کیسے لوہتے ہیں؟

جواب: جس سال حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اسی سال سے ایک تاریخ کی ابتدا ڈالی گئی۔ اس کو سنہ ہجری کہتے ہیں۔

سوال: یہ ابتدا کیا حضور ﷺ نے خود سے ڈالی تھی یا حضور ﷺ کے بعد کسی اور نے؟

جواب: حضور ﷺ کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتدا نہیں ڈالی گئی، بلکہ خلیفہ دوم فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں اس سنہ کی ابتدا ڈالی گئی، مگر اس کا شروع ہجرت کے سال سے مانا گیا۔

سوال: اس سے پہلے سنوں کا حساب کس طرح کیا کرتے تھے؟

جواب: عرب کا طریقہ تھا کہ کسی بڑے واقعہ سے سنہ کا شروع مان لیا کرتے تھے اور آخر میں اصحاب فیل کے واقعہ سے ابتدا مانی جاتی تھی (جس کا ذکر پہلے گزرا)۔

سوال: سنہ ہجری کی پہلی تاریخ اور پہلا مہینہ کون سا ہوتا ہے؟

جواب: یکم محرم الحرام سنہ ہجری کا پہلا دن ہوتا ہے اور محرم کا مہینہ پہلا مہینہ۔

خلاصہ

جب اس بات کا پوری طرح اندازہ ہو گیا کہ مکہ میں رہتے ہوئے تبلیغ اسلام میں کامیابی مشکل ہے اور دشمنوں کی طرف سے قتل کی تیاریاں ہونے لگیں تو حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اول خفیہ طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی اور پھر حضور ﷺ نے سفر فرمایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امانتیں پہنچانے اور دوسری مصلحتوں کی غرض سے مکہ میں چھوڑ دیا تھا جو تین روز بعد قبا میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مکہ معظمہ سے نکل کر حضور ﷺ غار ثور میں تین دن پوشیدہ رہے، پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضور ﷺ قبا میں پہنچے، تین آدمی حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ قبا میں کچھ قیام فرمایا، ایک مسجد تعمیر کی، جلسہ اور تقریر ہوئی، نماز باجماعت ادا کی گئی، پھر قبا سے مدینہ طیبہ تشریف لائے، یہاں اول اول حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہجرت کے سال سے آغاز مان کر ایک سنہ کی ابتدا ڈالی گئی جس کو ”سنہ ہجری“ کہتے ہیں۔ کلمہ محرم الحرام سے یہ سنہ شروع ہوتا ہے۔

مدینہ طیبہ

اہل مدینہ، ان کی جاں نثاری اور مدینہ کی مختلف جماعتیں

سوال: مدینہ کہاں ہے اور مکہ سے کتنی دور اور اس کا پہلا نام کیا تھا؟
جواب: ملک عرب میں مکہ سے شمال کی طرف تقریباً ڈھائی سو میل [۲۰۲.۲۵ کلومیٹر] کے فاصلے پر ایک شہر ہے جس کو پہلے ”یثرب“ کہتے تھے اور اب ”مدینہ“ کہتے ہیں۔

سوال: مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کے مذہب کیا کیا تھے اور مدینہ میں کون کون سے قبیلے آباد تھے؟

جواب: مدینہ طیبہ میں دو مذہب کے لوگ رہتے تھے۔

(۱) مشرک (۲) یہودی۔

مشرکوں کے دو خاندان تھے: (۱) اوس (۲) خزرج۔

یہودیوں کے بڑے بڑے قبیلے تین تھے: (۱) بنو نضیر (۲) بنو قینقاع (۳) بنو قریظہ

سوال: مہاجر کس کو کہتے ہیں اور انصاری کس کو؟

جواب: جو لوگ حضور ﷺ کی طرف اپنے وطنوں کو چھوڑ کر مدینہ میں تشریف لائے وہ ”مہاجر“ کہلاتے ہیں اور مدینہ کے رہنے والے اوس اور خزرج کے جو لوگ تھے وہ ”انصاری“ کہلاتے ہیں۔

سوال: مدینہ کے انصاریوں نے حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے ساتھیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

جواب: جیسے پروانے شمع کے ساتھ۔ مطلب یہ ہے کہ خدمت گزاری خیر خواہی اور فدا یگی کی جو جو شکلیں ہو سکتی ہیں وہ انصار نے بخوشی کر دکھائیں۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے مال، دولت، بیوی اور بچوں، غرض ہر چیز کو، یہاں تک کہ اپنی جانوں کو بھی بھول گئے۔ انکے سامنے اگر کوئی چیز رہ گئی تھی تو وہ خدا، خدا کا رسول اور اس کے ساتھی۔

ایک انصاری کو اس کی بالکل پرواہ نہ تھی کہ اس کے ننھے ننھے بچے بھوکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی تمنا یہ ہوتی تھی کہ اس کا مہاجر مہمان شکم سیر ہو جائے۔ وہ بخوشی تکلیف برداشت کرے، لیکن مہاجر بھائی آرام سے رہے۔ وہ جان قربان کرے، مگر مہاجر کا بال بیکانہ ہو۔

سوال: اوّل اذل مہاجرین کے ٹھہرنے اور ان کے بسر اوقات کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ ایک ایک مہاجر ایک ایک انصاری میں بھائی چارہ ”مواخات“ قائم کروا دیا کرتے تھے۔ جس کے بعد وہ آپس میں حقیقی بھائیوں کی طرح بھائی بھائی مانے جاتے تھے اور ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔

سوال: جب ایک انصاری اپنی تمام جائیداد وغیرہ مہاجر بھائی کے سپرد کر کے یہ خواہش کرتا تھا کہ مہاجر بھائی آرام سے بیٹھے اور یہ انصاری خود سے محنت کرے اور کمائے تو اس کا مہاجر بھائی کیا کہتا تھا؟

جواب: مہاجر بھائی کہتا: ”آپ کی دولت آپ کو مبارک، مجھے مزدوری یا تجارت کی کوئی سبیل بتا دو۔“ اور پھر وہ قوت بازو سے کہا کہ بسر کرتا۔

سوال: وہ ایسا کیوں کرتا؟

جواب: اس لیے کہ اس کی غیرت اس کو گوارا نہ کرتی تھی کہ وہ پانچ بن کر انصاری بھائی کی دولت پر قبضہ کرے یا اس پر اپنا بار ڈال دے۔

سوال: اس سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: یہ کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قوت بازو سے کمائے اور دوسرے پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

سوال: صحابہ رضی اللہ عنہم نے توکل کیوں نہ کیا؟

جواب: وہ پورا توکل کرتے تھے۔ مگر توکل کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر باپ دادا کی جائیداد یا لوگوں کی بخشش پر پانچ بن کر بیٹھ جائیں۔ توکل کے صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرنا اور نتیجہ خدا کے سپرد کر دینا اور بھروسہ صرف خدا کی مہربانی پر کرنا، نہ اپنی کوشش پر۔

سوال: باہمی بھائی چارے سے ایک دوسرے کے وارث ہونے کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: جب تک رشتہ کی بنا پر میراث تقسیم ہونے کا حکم قرآن پاک میں نازل نہ ہوا۔

سوال: انصار نے جو کچھ مال جائیداد اس وقت مہاجرین کو دیا تھا، وہ مہاجرین کے پاس

ہی رہا یا واپس بھی کیا گیا، اور اگر واپس کیا یا تو کس وقت؟

جواب: خیبر فتح ہونے کے بعد یعنی جب مہاجرین کو خیبر کی جائیداد مل گئی تو واپس کر دیا گیا۔

سوال: اسلام پھیل جانے کے بعد مدینہ میں کتنے فرقے ہو گئے؟

جواب: تین فرقے: (۱) مسلمان (۲) یہودی (۳) منافق۔

سوال: یہودی ان کو کہتے ہیں؟

جواب: یہودی وہ لوگ تھے جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتی کہتے تھے۔ مگر دراصل ان کا تمام دین مٹ چکا تھا۔ تورات میں بہت کچھ گڑبڑ کر لی تھی۔ خود غرضی، نفس پرستی، لالچ وغیرہ وغیرہ بڑی باتیں ان کے رگ و ریشہ میں اتر گئی تھیں۔ سود عام طور سے لیا کرتے تھے۔ مدینہ کی دوسری قوموں کی تمام جائیداد چٹ کر گئے تھے۔

سوال: منافق کون لوگ تھے؟

جواب: مدینہ کے کچھ ذلیل اور مکار لوگ ایسے بھی تھے جو اپنی اپنی غرض کی خاطر بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ مگر ان کے دل کفر کی دلدل میں دھنسے ہوئے اور اسلام کی گندہ دشمنی سے سڑے ہوئے تھے، رات دن مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی فکر میں رہا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو ”منافق“ کہا جاتا تھا۔

سوال: ان کا سرغنہ کون تھا؟

جواب: عبداللہ بن ابی بن سلول۔

سوال: مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: مکہ کے کافروں کی طرح یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے۔

سوال: اس دشمنی اور بغض کی کیا وجہ تھی؟

جواب: اسلام کی ترقی۔ کیونکہ اس ترقی کے باعث اُن کے وہ ناجائز فائدے اور شرمناک دباؤ اُٹھتے جاتے تھے جو سود و غیرہ کے باعث مدینہ کے غریبوں پر اُن کو حاصل تھے اور جن کے سبب سے وہ گویا مدینہ کے مالک بن بیٹھے تھے۔

سوال: حضور ﷺ نے یہودیوں کا فتنہ دبانے کے لیے فوری صورت کیا اختیار فرمائی؟

جواب: حضور ﷺ نے ایک معاہدہ کر لیا، جس کا حاصل یہ تھا:

(۱) یہود کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(۲) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۳) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۴) مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔

(۵) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہوگا۔

(۶) کوئی فریق قریش کو امن نہ دے گا۔

(۷) مسلمانوں کی اگر جنگ ہوگی تو یہودی بھی خرچ میں شامل رہیں گے۔

(۸) مظلوم کی امداد کی جائے گی۔

(۹) اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے جس سے باہمی فساد کا خوف ہو تو اس کا

آخری فیصلہ حضور ﷺ کے سپرد ہوگا۔

سوال: کیا یہودیوں نے اس کی پابندی کی؟

جواب: قطعاً نہیں! بلکہ وہ مکہ کے کافروں اور اسلام کے دوسرے دشمنوں سے برابر سازش

کرتے رہے اور اسلام کے درپے رہے۔ چنانچہ بنو قینقاع نے دوسرے سال، بنو نضیر نے چوتھے سال اور بنو قریظہ نے پانچویں سال بہت ہی خبیث طریقہ پر بد عہدی کی، تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

سوال: مکہ کے لوگوں نے اسلام کی مخالفت کے لیے ہجرت کے بعد کیا چالیں چلیں؟

جواب: (۱) اوس اور خزرج کے ان لوگوں کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مقابلہ کے لیے بھڑکایا۔ چنانچہ اُن کے پاس لکھ بھیجا، تم نے محمد کو ٹھہرایا ہے۔ اب لازم ہے کہ اُن کو نکال دو، ورنہ ہم سیدھے مدینہ پہنچیں گے اور تمہارے جوانوں کو قتل کر دیں گے، عورتوں کو باندیاں بنائیں گے۔

(۲) بدر کی لڑائی میں جب قریش ہار کر واپس ہوئے تو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں کو لکھا کہ تم قلعوں کے مالک ہو، جائیدادوں پر قابض ہو، ”محمد“ سے لڑو، ورنہ ہم تمہاری عورتوں کی پازیبیں تک اتار لیں گے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ بنو نضیر نے بد عہدی کا ارادہ کر لیا (جس کی تفصیل آگے آئے گی)۔

(۳) اندر ہی اندر مدینہ کے منافقوں اور یہودیوں سے سازش شروع کی۔

(۴) مدینہ پر چڑھائیاں شروع کر دیں۔

(۵) جب تنہا کامیاب نہ ہو سکے تو تمام عرب کے کافروں اور یہودیوں کو اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھائی کی۔

(۶) حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ عمیر نامی مکہ کا ایک شخص بدر کے بعد اسی ارادہ سے مدینہ طیبہ آیا۔

لے مگر یہ عجیب تماشا تھا کہ آیا تھا قاتل بن کر اور واپس ہوا مسلمان ہو کر۔ وجہ یہ ہوئی کہ اسکے سامنے آتے ہی حضور ﷺ نے اسکے ارادہ کو بتا دیا کہ تو اس غرض سے آیا ہے۔ چوں کہ اس کی خبر اس کے علاوہ کسی کو نہ تھی، نہ ہونا ممکن تھی۔ وہ اس معجزہ کو دیکھ کر تائب ہو گیا اور فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

سوال: حضور ﷺ نے کفارِ مکہ کی شرارت کو دفع کرنے کی کیا شکل نکالی؟

جواب: قریش کی تمام اکڑوں کی بڑی پونجی شام کی تجارت تھی، شام جاتے ہوئے مدینہ کے پاس سے گزر ہوتا تھا۔ حضور ﷺ نے اُن قافلوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا، تاکہ ان کی قوت کمزور پڑ جائے اور پریشان ہوں۔

سوال: قریش کے علاوہ مدینہ کے آس پاس کے کافر قبیلوں کی شرارت کس طرح روکی؟

جواب: اُن سے صلح کے معاہدے شروع کر دیے، چنانچہ بنی حمزہ کے معاہدہ کا تذکرہ آگے آئے گا۔

سوال: کیا حضور ﷺ تمام قبیلوں سے ایسا کر سکے؟

جواب: نہیں! اور نہ تلواریں نوبت ہی نہ آتی۔

سوال: وجہ کیا ہوئی؟

جواب: ابھی ایک دو قبیلوں ہی سے معاہدہ کیا تھا کہ قریش کے حملے شروع ہو گئے اور انہوں نے آس پاس کے قبیلوں میں بھی اسلام کے کچل ڈالنے کی آگ پیدا کر دی۔

خلاصہ

جب مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو مدینہ والوں کے تین حصے ہو گئے: مسلمان، یہودی، منافق۔ یہودیوں کے شر کو مٹانے کے لیے ان سے معاہدہ کر لیا۔ مگر افسوس! انہوں نے پابندی نہ کی جس کا نتیجہ خود ان کی تباہی تھا۔ جو مہاجر تھے ان میں سے ایک ایک مہاجر کا ایک ایک انصاری سے بھائی چارہ قائم کر دیا جو اس وقت تک باقی رہا جب تک میراث اور تقسیم ترکہ کی آیتیں قرآن پاک میں نازل نہ ہوئیں۔

جہاد

سوال: جہاد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے اور مخالفین کو زک پہنچانے کے واسطے آخری اور پوری پوری کوشش کا نام جہاد ہے، خواہ وہ تلوار سے ہو یا کسی اور طرح سے۔

سوال: جہاد واجب ہے یا فرض؟ اور اگر فرض ہے تو فرض تین ہے یا فرض کلیہ، یعنی فرض نماز کی طرح ہر ایک پر فرض ہے یا نماز جیسا کہ شرع پختہ مسلمانوں کے ادا کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے؟

جواب: جہاد فرض ہے۔ البتہ اس ملک پر جہاں مسلمان رہتے ہیں اگر اسلامی حکومت قائم ہو اور امن و امان ہو تو فرض کلیہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کے کچھ لشکر دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے رہیں تو سب سے فرض ادا ہوتا رہے گا اور اگر اس ملک کی اسلامی حکومت خطرہ میں پڑ جائے، جاتی رہے تو پھر فرض عین ہو جاتا ہے اور ہر شخص پر اسی طرح فرض ہو جاتا ہے، جیسے نماز، روزہ۔ نماز کی طرح اس فرض کو ادا کرنے کے لیے بھی کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لے قال فی بدائع الصنائع فی الجزء السابع: أما الجهاد فی اللغة فعبارة عن بذل الجهد بالضم، وهو الوسع والطاقة، أو عن المبالغة فی العمل من الجهد بالفتح. وفي عرف الشرع يستعمل فی بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عزوجل بالنفس والمال واللسان أو غیر ذلك، أو المبالغة فی ذلك. والله أعلم! (بدائع: ۵۷/۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) وھكذا فی کتب آخر. لے بدلیل ان نصب الامام فرض علینا، كما نبین من کتب العقائد، وقال فی ردالمحتار: كما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفر كقرطبة الآن، یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم، یجعلونه والیا فیولی قاضیا ویكون هو الذی یقضى بینهم. وكذا یتصیوا إماما یصلی بهم الجمعة (ردالمحتار: ج ۴، ص ۳۷۶). قال العبد الضعیف: وھذه مسألة القضاء والإمرة الشرعیة الی قام جمعیة علماء الهند مجاہدة فی نصبھا، اللهم انصرھم وأعنھم علی عدوك وعدوھم. آمین

سوال: فرض جہاد کونسا ہوتا ہے۔ یعنی صرف تلوار، ہندوق وغیرہ والا جہاد فرض ہوتا ہے یا دوسرا جہاد بھی (جو ہتھیاروں سے نہ ہو) اسی طرح فرض ہو جاتا ہے؟

جواب: جس طرح اسلامی حاکم یا بڑے بڑے علماء کی رائے ہو اسی طرح جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر تلوار سے موقع ہو تو تلوار سے، ورنہ مالی نقصان پہنچانا، سچی بات کہنا، ایسا کام کرنا جو دشمن کے لیے تکلیف دہ ہو، وہ بھی جہاد کے سلسلہ میں آتا ہے۔

سوال: حضور ﷺ نے تلوار کے علاوہ کیا کسی اور قسم کا جہاد بھی کیا ہے؟

جواب: حضور ﷺ نے اول اول تلوار کے بغیر جہاد کیا، یعنی نرمی کیساتھ وعظ فرمایا، نصیحت فرمائی۔ شکوک کو رفع کیا اور اس راہ میں ظلم سہے، مار پیٹ برداشت کی۔ مظلوم بن کر ظالموں کا جواب دیا۔ اخلاق کے ذریعہ سے ان پر اثر ڈالا۔ مکہ مکرمہ کی تمام زندگی مبارک اسی قسم کے جہاد میں گزری اور لطف یہ ہے کہ قرآن پاک میں اس کو بڑا جہاد قرار دیا گیا۔

سوال: حضور ﷺ پر تلوار سے جہاد کب فرض ہوا؟

جواب: مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جب دیکھ لیا کہ اپنی حفاظت اور دشمنوں کے شر کو مٹانے کے لیے تلوار کے علاوہ کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

۱۔ کما قال اللہ تعالیٰ: "وَذَلِكَ بِأَنَّهُمْ لَأَيُّسِيَهُمْ ظُلْمًا وَلَا نَصَبَ" (الایۃ (سورۃ توبہ: ۱۲۰) وعد ابن القیم رحمہ اللہ ثلاثۃ عشر نوعاً للجهاد. (زاد المعاد: ۷۰۶/۳) قال العلامة ابن القیم رحمہ اللہ: لا ريب أن الأمر بالجهاد المطلق إنما كان بعد الهجرة، فأما جهاد الحجة فأمر به في مكة بقوله: فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدُهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا. (الفرقان: ۵۲) أي بالقرآن فهذه سورة مكية والجهاد فيها هو التبليغ وجهاد الحجة: زاد المعاد: ۵۲/۱ ثم قال في ص: ۵۲/۱ ثم فرض عليهم قتال المشركين كافةً وكان محرماً، ثم ما ذونا به ثم مأموراً به لمن بدأهم بالقتال، ثم مأموراً به بجميع المشركين، وهكذا في مبسوط فقال فيه: وكان رسول الله ﷺ مأموراً في الابتداء بالصفح والاعراض عن المشركين، ثم أمر بالدعاء إلى الدين بالوعظ والمجادلة بالأحسن الخ. (مبسوط: ۳۰۲/۱)

سوال: جہاد جس میں بظاہر تباہی بربادی اور قتل و خون ہوتا ہے اسلام میں اس کا حکم کیوں کیا گیا؟

جواب: اس قتل و خون میں جیسے ظالموں کی تباہی معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہ فائدے لے بھی ہیں مثلاً:

(الف) مظلوم قوم میں ظالم حکومتوں کے ظلم سے نجات پائیں۔ ان کی فاقہ مستی، جفاکشی دور ہو، اور جانوروں جیسی غلامانہ زندگی سے رہائی پا کر انسانوں کی طرح آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔

(ب) کمزور آدمی جو ظالموں کے خوف سے سچا دین نہیں قبول کر سکتے ان کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔

(ج) اسلام اور مسلمانوں کو دشمنوں کے زرعہ سے نجات ملے اور اپنی اور دنیاوی اصلاح اطمینان اور آسانی کے ساتھ کر سکیں۔

۱۔ ان ہی مقاصد کی بنا پر ہر اسلامی لشکر پر جبکہ وہ غنیم کے ملک پر حملہ آور ہو یہ فرض ہوتا ہے کہ اول انکو اسلام کی دعوت دے، اگر اسکو قبول نہ کریں تو پھر انکو دعوت دی جائے کہ وہ تاج اسلام کی شہنشاہیت تسلیم کر کے معاہدہ کر لیں اور اپنے ملک میں آزار ہیں، یہ بھی نہ ہو تو جنگ اختیار کی جائے، مگر جب وہ صلح کی خواہش کریں تو مسلمان بھی صلح پر آمادہ ہو جائیں، پھر جنگ کے وقت صرف جنگ کرنے والوں کو قتل کیا جائے، سادھو، بوڑھے، عورتیں، بچے، غیر جانب دار یعنی جن جن کا جنگ میں حصہ نہ ہو وہ سب محفوظ رہیں گے۔ ہکذا يستفاد من کتب الفقه والحديث. واللہ اعلم بالصواب!

۲۔ قال اللہ تعالیٰ: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلَئِنْ اللّٰهُ دُوَّ فَضَّلَ عَلٰی الْغُلَامِیْنَ (البقرہ: ۲۵۱) وَايضاً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنْ الْقَتْلِ. (البقرہ: ۱۹۱) وَكَذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهَادَمَتْ صَوَابٌ وَبِيعَ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا. (الحج: ۴۰)

۳۔ قال اللہ تعالیٰ: وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ وَیَكُوْنُ الدِّیْنُ لِلّٰهِ فَاِنْ اَمْتَوْا فَلَا عُدُوَانَ اِلَّا عَلٰی الظّٰلِمِیْنَ. (البقرہ: ۱۹۳) وَقَوْلُهُ تَعَالٰی: فَاِنْ اَعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یَقَاتِلُوْكُمْ وَآَلَفُوا اِلَیْكُمْ السَّلَامُ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِيْلًا. (النساء: ۹۰)

۴۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضَعْفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ. (النساء: ۷۵)

(د) دوسری قوموں پر عرب قائم کیا جائے تاکہ اپنی حفاظت ہوتی رہے، اسلام کی شوکت برقرار رہے اور اسلامی ممالک دوسروں کے حملوں سے محفوظ رہیں۔^۱

سوال: غزوہ، جیش اور سریرہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: وہ لڑائی جس میں خود رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے ہوں ”غزوہ“ کہلاتی ہے اور ”جیش“ بڑے لشکر کو کہتے ہیں۔ اور ”سریرہ“ دستہ کو کہا جاتا ہے جس میں تھوڑے سے سپاہی ہوں۔

سوال: کیا جیش اور سریرہ کے لیے کوئی خاص مقدار بھی ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سفر کرنے والے ساتھی بہتر ہے کہ چار ہوں۔ سریرہ چار سو سپاہیوں کا بہتر ہے اور لشکر چار ہزار سپاہیوں والا۔“

مگر یہ یاد رہے کہ علماء ذرا ذرا سے دستہ کو بھی سریرہ کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں سمجھتے کہ وہ لڑنے کے لیے ہی گیا ہو، بلکہ اگر زمانہ رسالت میں ایک دو آدمی کو کسی واقعہ کی تحقیق کے لیے یا کسی معاملہ پر گفتگو یا کسی شخص کی گرفتاری کے لیے بھیجا گیا ہو تو اس کو بھی سریرہ کہہ دیتے ہیں۔^۲

۱۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاعْبُدُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ. الآية (الانفال: ۶۰) وقال اللہ تعالیٰ: قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبة: ۲۹) فی المبسوط: والمقصودان بأمن المسلمون ويتمكنوا من القيام بمصالح دينهم ودنياهم: (المبسوط: ۳/۱)

۲۔ میر اور مغازی کے مطالعہ کے بعد آسانی کہا جاسکتا ہے کہ علماء کرام کی اصطلاح میں حضور ﷺ کی ہر ایک نقل و حرکت جو کسی مقصد کی بنا پر ہو ”غزوہ“ ہے اور کسی مسلمان کی نقل و حرکت ”سریرہ“ کہلاتی ہے، خواہ وہ ایک ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جورات کو چلے اور دن کو چھپ جائے سریرہ کہلاتا ہے۔ فی السرية عدد قليل يسيرون بالليل ويكتمون بالنهار والجيش هو الجمع العظيم الذي يجيش بعضهم في بعض. قال ﷺ: خير الأصحاب أربع، وخير السرايا أربع مائة، وغير الجيوش أربعة الاف، ولن يغلب اثنا عشر ألفاً عن قلة إذا كانت كلمتهم واحدة. (المبسوط: ۴/۱۰)

سوال: اسلام میں سب سے پہلا لشکر کونسا تھا؟

جواب: جو ہجرت کے پہلے برس میں ترتیب دیا گیا، یعنی ہجرت سے سات مہینے بعد ماہ رمضان میں۔

سوال: اس کے افسر کون تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کے محترم چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: اس میں کل سپاہی کتنے تھے اور مہاجر تھے یا انصاری؟

جواب: تیس مہاجر۔

سوال: اس لشکر کا جھنڈا کیسا تھا؟

جواب: سفید۔

سوال: جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال: یہ لشکر کس کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا؟

جواب: قریش کے ایک مسلح قافلہ کے مقابلہ میں، جس کا سردار ابو جہل تھا جو شام سے مال لے کر واپس آ رہا تھا۔

سوال: کافروں کے قافلہ میں کتنے آدمی تھے؟

جواب: تین سو۔

سوال: اس مرتبہ جنگ ہوئی یا نہیں؟

جواب: ”عبدی بن عمرو“ قبیلہ جہینہ کا ایک بڑا شخص تھا، اس نے بچ بچاؤ کر دیا اور لڑائی نہیں ہوئی۔

سوال: سب سے پہلا تیر اسلام میں کس نے پھینکا اور کس لشکر میں؟

جواب: اسی سال اگلے ماہ یعنی شوال میں ایک لشکر ”بطن رابغ“ مقام کی طرف ابوسفیان

کے مقابلہ میں بھیجا گیا۔ جس میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کفار پر تیر پھینکا۔ اسلام میں یہ پہلا تیر تھا جو کفار پر چلایا گیا۔

سوال: اس دستہ کا نام کیا ہے، اس کے افر کون تھے، اس میں کتنے آدمی تھے اور اس میں فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: اس دستہ کو سریہ عبیدہ بن حارث کہتے ہیں، کیونکہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اس کے افر تھے اور اس میں کل سپاہی ساٹھ تھے۔ خداوند عالم نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی۔

سوال: وہ سب سے پہلا لشکر کونسا تھا جس کے سردار خود حضور ﷺ تھے؟

جواب: وہ لشکر جو وڈان اور بنی ضمہ سے لڑنے گیا تھا، جس کو غزوۃ ابواء یا غزوۃ وڈان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سوال: یہ واقعہ کون سے سن میں ہوا اور اس میں کتنے سپاہی تھے اور اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: یہ واقعہ ہجرت سے دوسرے سال یعنی ۲ھ میں ہوا اس میں ساٹھ سپاہی تھے۔ آپس میں صلح ہو گئی، جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: ان لشکروں کے سپاہی کون لوگ ہوتے تھے؟

جواب: حضور ﷺ کے وہی صحابی جو ایمان لاتے تھے، یعنی ہر ایک مسلمان جیسے نماز روزہ کا پابند ہوتا تھا اسی طرح وہ جہاد کے فرض کو ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہی صحابی جو رات کو ولی اور قطب کی طرح خدا کی عبادت کرتے تھے اور نماز کے وقتوں میں پکے زاہدوں کی طرح نماز کی جماعتوں میں شریک ہوتے تھے۔ جن کے دلوں میں اور زبانوں پر ہر وقت اللہ کا نام جاری رہتا تھا۔ وہی ان لشکروں کے سپاہی بھی ہوتے تھے۔

سوال: ان سپاہیوں کو کیا تنخواہ دی جاتی تھی اور ہتھیار و ردی کہاں سے ملتی تھی؟

جواب: تنخواہ کے نام سے ایک کوڑی بھی ان حضرات کو نہ ملتی تھی۔ بلکہ تنخواہ لینا تو اپنی خدمتوں کو فروخت کر دینا ہے۔ یہ حضرات رضا کار ہوتے تھے، جو اپنے اپنے پیشوں سے گزارے کی شکل نکالتے تھے اور وہی ان کے پھٹے پرانے کپڑے جنگ کے موقع پر ردی بن جاتے تھے۔ اسی طرح ٹوٹے پھوٹے ہتھیار جو ان کے پاس ہوتے تھے جنگ میں ان سے کام لیتے تھے۔

سوال: جب تنخواہ دار سپاہی نہ تھے تو لشکروں کی ترتیب کس طرح ہوتی تھی؟

جواب: ہر ایک شخص فوجی قواعد اور فن سپہ گری سے واقف ہوتا تھا۔ جب ضرورت ہوتی تھی تو خلیفہ کی جانب سے اعلان ہوتا اور اسلام کے نو جوان ہر طرف سے نکل کھڑے ہوتے اور اپنے اپنے نام لکھا دیتے، یہی فوج ہو جاتی۔ انہی میں سے کسی ایک کو لشکر کا سردار بنادیا جاتا، وہ کمانڈر ہوتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہندوستان، مصر، اندلس، افریقہ، شام، عراق جیسے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرنے والے اسی قسم کے رضا کار تھے۔

سوال: اس طریقہ کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب: عام رعایا کی خوش حالی اور فوج کی بے انتہا کثرت، کیونکہ اس صورت میں ضروری ہے کہ ملک کا بچہ بچہ، فن سپہ گری اور قواعد جنگ سے واقف رہے تو گویا ملک کا ہر ایک شخص فوج کا سپاہی ہوگا اور جس قدر ملک کے نو جوان ہیں اتنی ہی فوج کی مقدار ہوگی جو ضرورت کے وقت تمام کام انجام دے سکتی ہے۔

اور جب ان سپاہیوں کو تنخواہ نہ دی جائے گی تو فوج کے خرچ کے مطابق جو رعایا سے لگان وصول کیا جاتا تھا وہ وصول نہ کیا جائے گا اور جب عام رعایا کو کم لگان ادا

کرنا پڑے گا تو لامحالہ ان کی خوش حالی میں زیادتی ہوگی۔^۱

سوال: یہ لوگ جنگ میں زبردستی شریک کیے جاتے تھے یا اپنے شوق سے؟

جواب: اپنے شوق سے۔ مسلمان عورتیں اپنے پیارے بچوں کو اسی غرض سے دودھ پلایا کرتی تھیں کہ وہ خدا کے نام پر قربان ہو گئے۔ شرکتِ جہاد کا شوق انکی گھٹی کے ساتھ ساتھ انکے ذہنوں میں اور ننھے ننھے دلوں میں بٹھادیا جاتا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ جہاد کے موقعوں پر بڑوں کے ساتھ بچے بھی اپنے نام شوق سے لکھاتے اور کمسنی کے باعث انکو واپس کیا جاتا تو وہ چل جاتے۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عمیر بن وقاص رضی اللہ عنہ کو عمر کی کمی کی وجہ سے روک دیا گیا تو انہوں نے رورو کر اور بلبلا بلبل کر حضور ﷺ کو اجازت دینے پر مجبور کیا۔ جنگ اُحد کے موقع پر رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بچوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے تاکہ لمبائی میں جوانوں کے برابر معلوم ہوں اور جب انکو جہاد میں لے لیا گیا تو انکے ہم عمر حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے فوراً عرض کیا کہ حضور! مجھے بھی واپس نہ کیا جائے کیونکہ میں رافع سے قوی ہوں، انکو پچھاڑ لیتا ہوں۔ چنانچہ مقابلہ کرایا گیا تو واقعی سرہ رضی اللہ عنہ نے رافع رضی اللہ عنہ کو پچھاڑ لیا۔ مجبوراً ان دونوں کو جہاد میں لے لیا گیا۔^۲ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن کو بیان کرنے کیلئے ایک طویل کتاب کی ضرورت ہے۔^۳

۱۔ مثلاً: ہندوستان کی کل آمدنی تقریباً ایک ارب پندرہ کروڑ ہے یا بیس کروڑ۔ اس میں سے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ فوج کا خرچ ہے تو کاشت کاروں کو لامحالہ ایک روپیہ کے بجائے دو روپیہ دینے پڑتے ہیں۔ لیکن اگر ملک کے ہر بچے کو فنونِ جنگ کی تعلیم دی جائے تو اس فوج کی یقیناً ضرورت نہ ہو، بلکہ ساٹھ کروڑ کے بجائے چار پانچ کروڑ میں کام چل جائے اور اب کاشتکار سے اس کی آمدنی کا ۵۰ فیصد لگان لیا جاتا ہے تو پھر ۲۵ فیصدی لیا جائے گا۔ (۱۹۳۲ء)

۲۔ تاریخ طبری و زاد المعاد وغیرہ ۳۔ مثلاً غزوہ اُحد ہی کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ آتش کارزار کی لپٹوں سے گرم ہے۔ ایک بڈو صحابی ایک کنارے پر کھڑے ہوئے اطمینان سے چھوہارے کھا رہے ہیں، غیرت کو جوش آتا ہے۔ آگے بڑھ کر حضور ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں: میرا گھانا کہاں ہوگا اگر میں اس جہاد میں شریک ہو کر مارا جاؤں؟ =

اسلامی لڑائیاں

سوال: کتنی لڑائیوں میں حضور ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے؟

جواب: علامہ مغلطائی کے قول کے بموجب وہ لڑائیاں جن میں حضور ﷺ تشریف لے گئے ۲۳ ہیں اور بعض نے ان کی تعداد ۲۷ بتائی ہے۔

سوال: وہ لڑائیاں یاد دہانہ ہیں جن میں حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے کتنی ہیں؟

جواب: علامہ مذکور کے قول کے بموجب چوالیس اور اس سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں۔

سوال: جن لشکروں میں حضور ﷺ تشریف لے گئے ان میں سے کتنے لشکروں میں لڑائی ہوئی اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟

جواب: ۹ لشکروں میں، نام یہ ہیں: (۱) بدر کی پہلی لڑائی (۲) بدر کی دوسری لڑائی

(۳) جنگِ احد (۴) جنگِ احزاب یا خندق (۵) جنگِ بنی قریظہ (۶) جنگِ

بنی مُضَلِّق (۷) جنگِ خیبر (۸) جنگِ حنین (۹) جنگِ طائف۔

سوال: باقی لڑائیوں میں کیا ہوا؟

جواب: صلح ہو گئی یا کوئی اور صورت پیش آ گئی، جس سے دشمن دب گئے اور لڑائی نہ ہو سکی۔

= رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہوا: "جنت میں۔" ان کلمات کا کائنات میں پڑنا تھا کہ چھوڑے الگ چھینکے، چھینکروں میں پہلی ہوئی

تکوار نکال کر فوج میں گھس پڑے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اسی طرح زوالِ معاد میں حضرت عمیر بن الحارثؓ کا واقعہ بیان کیا

گیا ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب نادار صحابہ رضی اللہ عنہم سواری نہ ہونے کے باعث ساتھ چلنے سے عاجز رہے اور حضور ﷺ

بھی ان کے لیے انتظام نہ کر سکے تو روتے روتے بے تاب ہو گئے اور راہوں کو خداوندِ عالم سے گڑ گڑا کر دعا مانگیں،

یہاں تک کہ خدا نے انکی دعا قبول فرمائی اور سواری کا انتظام ہو گیا (زوالِ المعاد: ۱/۳۵۷)۔ غزوہٴ احد میں جب یہ خبر مشہور ہوئی

کہ حضور ﷺ (خدا نخواستہ) شہید ہو گئے تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ فوراً پکار اٹھے: اب زندگی بے کار ہے اور اپنے ساتھیوں کو

خبر دی کہ میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، فورا ہی دشمنوں کی صف میں گھس پڑے اور تقریباً نوے زخم کھا کر شہید ہو گئے۔

سوال: ان لڑائیوں کے یہ نام کس طرح رکھے گئے؟

جواب: بدر، احد، حنین وغیرہ مقام یا قبیلوں کے نام ہیں۔ جس جگہ یا جس قبیلہ سے لڑائی ہوئی، اسی کے نام پر لڑائی کا نام رکھ دیا گیا۔

سوال: کتنی لڑائیوں میں مسلمانوں کو فتح ہوئی؟

جواب: اسلام کے جنڈے پر خداوندِ عالم کا ہمیشہ فتح کا پھیرا لہراتا رہا۔ صرف جنگِ احد میں غلطی سے حضور ﷺ کا کہنا نہ ماننے کے باعث شکست ہوئی اور پھر جنگِ حنین میں اول اول کچھ مسلمان پیچھے ہٹ گئے تھے، پھر اس میں بھی خدا نے فتح ہی عنایت فرمائی۔

۱۱

کی بڑی بڑی لڑائیاں اور مشہور واقعات

سوال: ۱۔ ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے بھیجے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں، البتہ دو دستے بھیجے گئے، یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا دستہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال: ۲۔ ہجری کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی (۲) اذان کی تعلیم (۳) مشہور لوگوں میں سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔

۲۷

قبلہ کی تبدیلی، غزوہ بدر وغیرہ

سوال: وہ سب سے پہلا دستہ کونسا تھا جس نے غنیمت حاصل کی؟

جواب: حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ۔

سوال: اس میں کتنے آدمی تھے اور وہ مہاجر تھے یا انصاری اور ان کے سردار کون تھے؟

جواب: ۱۲ مہاجر، سردار حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ۔

سوال: یہ دستہ کہاں گیا تھا؟

جواب: نخلہ مقام پر۔

سوال: اس دستے کو بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟

جواب: ایک قریشی قافلہ کا مقابلہ۔

سوال: یہ واقعہ کون سے مہینہ میں ہوا؟

جواب: ماہ رجب میں۔

سوال: کیا رجب کے متعلق عرب کا کوئی خاص عقیدہ بھی تھا؟

جواب: چار مہینوں کو عرب کے آدمی 'اشہر حرام' کہا کرتے تھے۔ ان کی تعظیم کی جاتی تھی

اور ان میں لڑائی حرام مانی جاتی تھی۔ ان میں سے ایک رجب تھا، باقی تین یہ

تھے: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔

سوال: اس عقیدے سے کیا کوئی فائدہ بھی تھا؟

جواب: عرب کے باشندے رات دن لوٹ مار، لڑائی جھگڑے میں مشغول رہتے تھے۔

آمدنی کا ذریعہ صرف ڈاکہ اور لوٹ ہی تھی۔ اس وجہ سے عرب کی زمین عرب

والوں پر تنگ تھی۔ ڈاکہ اور لوٹ کے باعث تجارت اور سفر مشکل تھا۔ اس عقیدے کے باعث ان کو چار ماہ کے لیے کسی قدر سانس لینے کا موقع مل جاتا تھا، یہی اس کا فائدہ تھا۔

سوال: اس لڑائی کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، قافلہ کا سردار مارا گیا، دو آدمی گرفتار ہوئے، باقی بھاگ گئے اور بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

سوال: اس سامان کا کیا ہوا؟

جواب: دستہ کے لوگوں پر تقسیم کر دیا گیا اور پانچواں حصہ اسلامی خزانہ (بیت المال) کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔

سوال: کیا اس سے پہلے بھی مسلمانوں کو غنیمت کا مال ملا تھا، یا کسی قتل اور قید کیا تھا؟

جواب: نہیں! اسلام میں یہ پہلی غنیمت تھی اور ایک دشمن کا سب سے پہلے قتل ہوا تھا اور سب سے پہلے دو قیدی گرفتار ہوئے تھے۔

سوال: جب رجب کے متعلق کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ لڑنا حرام ہے تو مسلمانوں کی اس لڑائی پر انہوں نے کیا کہا اور حضور ﷺ پر اس کا کیا اثر ہوا؟

جواب: ان لوگوں نے بہت کچھ اعتراض کیے اور حضور ﷺ کو بھی اس کا رنج ہوا۔

سوال: اسلامی فیصلہ اس کے متعلق خداوند عالم کی جانب سے کیا ہوا؟

جواب: ایک آیت نازل ہوئی جس کا حاصل مطلب یہ ہے: کہہ دیا جائے کہ ان مہینوں میں لڑنا بری بات ہے۔ مگر اعتراض کرنے والے اپنے گریبان میں تو منہ ڈالیں۔ دوسروں کو راہِ خدا سے روکنا، خود خدا سے کفر کرنا، لوگوں کو مسجدِ حرام خانہ کعبہ سے روکنا، گھر والوں کو اور خاص کر اللہ کے پاک اور محفوظ شہر کے

رہنے والوں کو ان کے شہروں سے نکالنا۔ یہ تمام کام جورات دن ان اعتراض کرنے والوں کا مشغلہ ہیں اور جن سے بہت بڑا فتنہ پھیل رہا ہے، یہ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

خلاصہ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا دستہ سب سے پہلا دستہ ہے جس نے غنیمت حاصل کی۔ اسی دستہ نے سب سے پہلے دو آدمی گرفتار کیے اور ایک کو قتل کیا۔ اس میں بارہ مہاجر تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اسکے سردار تھے، اس کو مقام نخلہ پر قریش کے قافلہ کی خبر لانے کیلئے بھیجا گیا تھا، وہاں اتفاقی جنگ پیش آ گئی۔ یہ جنگ اتفاق سے رجب میں پیش آئی۔ جس پر کفار نے بہت کچھ اعتراض کیے کیونکہ ان کے عقیدہ کے بموجب اس مہینہ میں جنگ حرام تھی۔ مگر اسکے مظالم کے مقابلہ میں اس اعتراض کی یہی کیفیت تھی کہ کھسانی بلی کھبانو ہے۔

غزوہ بدر

سوال: ہذر کیا ہے اور اس لڑائی کو غزوہ بدر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: ”بدر“ ایک کنویں کا نام ہے اسی مناسبت سے اس گاؤں کو بدر کہتے ہیں جو اس کے پاس آباد ہے، اس لڑائی کا نام اسلیے بدر رکھا گیا کہ اس کے قریب ہوئی تھی۔

سوال: بدر مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟

جواب: اسی میل [۲۸.۷۲ کلومیٹر]۔

سوال: اس جہاد کی وجہ اور روانگی کی مختصر کیفیت بیان کرو؟

جواب: یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ ہجرت کے بعد مکہ کے کافر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کیلئے پہلے سے زیادہ طرح طرح کے منصوبے کر رہے تھے، اسکے نقصانات سے بچنے کے واسطے مسلمانوں کے لیے یہی تدبیر ضروری تھی۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمانوں نے ایک تدبیر یہ نکالی تھی کہ مکہ والوں کے قافلے جو مدینہ کے پاس سے گزر کر شام جاتے تھے ان کو تنگ کیا جائے تاکہ ان کی تجارت

کو نقصان پہنچے، جو انکی کمر کو مضبوط کرنے والی اور غرور کو تقویت دینے والی تھی۔
ایسا ہوا کہ ہجرت سے دوسرے برس یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک بڑا قافلہ سامان
لے کر شام سے واپس آرہا ہے، حضور ﷺ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس کے
مقابلہ کے لیے نکلے اور ”رؤحاً“ مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا۔ مگر قافلہ کے سردار کو اس
کی خبر ہوئی۔ اس نے سمندر کے کنارے کنارے دوسرا راستہ اختیار کر لیا اور ایک
سوار مکہ بھیج دیا کہ قافلہ مسلمانوں کی وجہ سے خطرہ میں ہے۔ مکہ کے کافر پہلے سے
تیار تھے، وہ فوراً روانہ ہو گئے۔

اس طرف جب حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ اول مہاجرین سے
مشورہ کیا، انہوں نے بڑے جوش سے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد دوسری اور
تیسری مرتبہ مشورہ کیا، جس کا جواب بھی اسی طرح جوش اور قوت سے دیا گیا۔ مگر
حضور ﷺ کا مقصد تھا کہ انصاری بھی جواب دیں۔ جب انصار نے اس کو تاڑا
تو فوراً قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا: خدا کی
قسم! اگر حکم ہو تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔ مقداد رضی اللہ عنہ بولے: یا رسول اللہ! ہم
آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے سے لڑیں گے، ہم وہ نہیں کہ کہہ دیں کہ آپ
اور آپ کا خدا جا کر جنگ کر لیں، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔
حضور ﷺ اس آمادگی اور جوش سے بہت خوش ہوئے اور روانگی کا حکم فرمایا۔

سوال: حضور ﷺ انصار کے جواب کے کیوں منتظر تھے؟

جواب: کیونکہ اُن سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ مدینہ میں ہر ایک قوم سے وہ آپ کی حمایت

لےحام نعوں میں یہاں ”خزرج“ ہے جو کہ غلط ہے اس لیے صحیح کر دیا گیا۔ (تہذیب الکمال: ۷/۱۰۶)
لے پورا جواب یہ ہے: میں انصاری کی نمائندگی کرتا ہوا عرض کرتا ہوں: جس سے آپ چاہیں تعلقات قائم کریں، جس سے
آپ چاہیں توڑیں، جس سے چاہیں صلح کر لیں، جس سے چاہیں جنگ کریں، ہم ہر حالت میں آپ کے ساتھ ہیں۔
ہماری جانیں، ہمارا مال آپ پر شمار جتنا چاہیں ہمیں دیں، جتنا چاہیں آپ لیں۔ جو آپ لیں گے وہ زیادہ پیارا ہوگا اس
مال سے جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (زاد المعاد: ۳/۱۳۶) یہ ہے شان اسلام، غور کرو!

میں جنگ کریں گے اور یہ مدینہ سے باہر کا واقعہ تھا۔

سوال: ”روحا“ مدینہ سے کس طرف ہے اور کتنی دور؟

جواب: جنوب کی طرف مدینہ سے ۴۰ میل [۶۳.۳۶ کلو میٹر]۔

سوال: بدر پہنچ کر اسلامی لشکر نے کیا دیکھا؟

جواب: دیکھا کہ مکہ کے کافروں کا بہت بڑا لشکر بڑے ساز و سامان کے ساتھ پہلے ہی پہنچ چکا ہے اور میدان بدر کے بہت عمدہ موقع پر قبضہ کر لیا ہے، جہاں پانی وغیرہ سب طرح کا آرام ہے۔

سوال: مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ کیسی تھی؟

جواب: مسلمانوں کے ٹھہرنے کے لیے میدان کا وہ حصہ رہ گیا تھا جو بہت ریت والا تھا، جس میں چلنا بھی مشکل تھا اور پانی کا بھی قحط تھا۔

سوال: فتح اور امدادِ خداوندی کا وعدہ اس موقع پر کس طرح ظاہر ہوا؟

جواب: خدا نے بارش بر سادی، جس سے کافروں کے ٹھہرنے کی جگہ پر بہت کچھڑ ہو گئی، اُن کو چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف میدان کا ریت دب گیا، تمام برتن پانی سے اچھی طرح بھر گئے اور ایک حوض سا بنا کر اس میں پانی اکٹھا کر لیا۔ اب میدان کا اچھا حصہ مسلمانوں کی طرف تھا اور برا حصہ کافروں کی طرف۔

سوال: یہ لشکر مدینہ سے کونسی تاریخ کو روانہ ہوا؟

جواب: ۱۲/ رمضان المبارک بروز پنج شنبہ ۲ھ مطابق ۸ مارچ ۶۲۴ء^۱۔

سوال: بدر کب پہنچا؟

جواب: ۱۷ کی شب کو بوقتِ عشاء^۲۔

۱۔ بقول علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ ۱۷ کو جمعہ ماتا ہے (زاد المعاد: ۳/۱۳۹)۔ ۲۔ زاد المعاد: ۳/۱۳۹

سوال: لڑائی کون سے دن اور کونسی تاریخ کو ہوئی؟

جواب: ۱۷ اررمضان المبارک ۲ھ بروز منگل^۱ مطابق ۱۳ مارچ ۶۲۴ء۔

سوال: اسلامی لشکر کی تعداد کتنی تھی اور کفار کے لشکر کی کتنی؟

جواب: مسلمان کل تین سو تیرہ^۲ تھے اور کفار نو سو پچاس۔

سوال: ۳۱۳ مسلمان کس کس جماعت کے کتنے کتنے تھے؟

جواب: مہاجر چھپسی، انصار، قبیلہ اوس کے اکٹھ، قبیلہ خزرج کے ایک سو چھیاسٹھ^۳۔

سوال: سامان جنگ کی تفصیل بیان کرو۔

جواب: کفار کے پاس سات سو اونٹ، سو گھوڑے سوار، اور تمام اسلحہ اور زرہ اور خودوں

کے باعث گویا ہر ایک فوجی لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے مقابل مسلمانوں

کے پاس صرف دو گھوڑے^۴، ستر اونٹ^۵ اور چند تلواریں^۶۔

سوال: لشکر اسلام کے سردار کون تھے؟ اور اس لڑائی کو غزوہ کہا جائے گا یا سریہ؟

جواب: خود حضور ﷺ، لہذا غزوہ ہوا۔

سوال: لشکر کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابو جہل

۱۔ جدول رحمۃ للعالمین

۲۔ (زاد المعاد: ۳/۱۳۵) اس عدد میں خدا نے خاص برکت رکھی ہے۔ مسند احمد اور صحیح ابن حبان کی ابوذر رضی اللہ عنہ والی روایت کے بموجب انبیاء مرسلین یعنی رسولوں کی تعداد بھی یہی ہے، اگرچہ کل انبیاء کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی گئی ہے۔ اور طالوت کے لشکر کی تعداد بھی ۳۱۳ ہی تھی، جس نے اسی طرح فتح حاصل کی تھی۔

۳۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ۱۷۱ بتائے ہیں اس صورت میں کل ۳۱۷ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

۴۔ ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا، دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کا۔ (زاد المعاد: ۳/۱۳۵)

۵۔ (زاد المعاد: ۳/۱۳۵)

۶۔ یعنی ہر ایک کے پاس تمام ہتھیار تو کیا ہوتے، تلواریں بھی سب کے پاس نہیں تھیں۔

سوال: اسلام کے جھنڈے کس کس کے پاس تھے؟

جواب: بڑا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔ ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عنایت کیا گیا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: اس لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

جواب: مسلمانوں کو خداوندِ عالم نے بہت بڑی فتح عنایت فرمائی، ستر کافر مارے گئے۔ جن میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن اور کافروں کا سب سے بڑا سردار ابو جہل بھی تھا، جس نے ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ ابو جہل کے علاوہ گیارہ آدمی ان لوگوں میں سے مارے گئے جنہوں نے ہجرت کے وقت قتل کے مشورہ میں شرکت کی تھی اور ۷۰ کافر گرفتار ہوئے اور بہت سا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

سوال: اس جنگ میں کتنے انصاری شہید ہوئے، کتنے مہاجر اور کل مسلمان کتنے؟

جواب: ۸ انصاری (۶ قبیلہ خزرج کے، ۲ قبیلہ اوس کے) اور چھ مہاجر، کل ۱۴۔

سوال: جو کافر قید کیے گئے تھے، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور کہاں رکھا گیا؟

جواب: حضور ﷺ نے دو دو چار چار کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا اور عام خیالات کے بالکل برخلاف زبانِ رحمت سے ارشاد صادر ہوا کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

سوال: آقائے دو جہاں کے ارشاد کی کس طرح تعمیل کی گئی؟

جواب: سبحان اللہ! یہ منظر قابلِ دید تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا اور اپنے عزیز بال بچوں کا پیٹ معمولی چھواریوں سے بھر رہے تھے، مگر ارشادِ آقا کی تعمیل میں ان نا جنس

۱۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ وہی گردن زدنی مجرم ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے اور اب بھی اسی غرض سے آئے تھے۔

مہمانوں کو اپنی حیثیت کے بموجب اچھے سے اچھا کھانا کھلا رہے تھے۔

ان لوگوں کے پاس کپڑے نہ تھے تو حضور ﷺ نے ان کو کپڑے دلوا دیے، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد اس قدر لمبا تھا کہ کسی کا کمرہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ آیا تو منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ دے دیا۔

سوال: حضور پر نور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ کے داماد حضرت ابوالعاص جو اس وقت کافر تھے اور بدر میں گرفتار کیے گئے تھے، ان کے ساتھ سب کے برابر سلوک کیا یا کچھ فرق تھا؟

جواب: اسلام کے احکام میں بادشاہ اور فقیر، بادشاہ کے رشتہ دار اور عام رعایا سب برابر ہیں۔ ہاں محبت کا اثر یہ ضرور تھا کہ رات کے وقت جب تسوں اور قید کی تکلیف سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز حضور ﷺ کے گوش مبارک میں پہنچی تو نیند اڑ گئی، مگر اسلامی احکام کی برابری طبعی محبت پر غالب تھی۔

سوال: ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہوئی؟

جواب: مشورہ کے بعد طے ہوا کہ (۱) مقدور والوں سے چار چار ہزار درہم یعنی ایک ایک ہزار روپیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں۔ (۲) امیروں سے اس سے کچھ زائد۔ (۳) اور مفلسوں کی رہائی کا فدیہ (معاوضہ) یہ قرار دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو پڑھا دیں اور رہا ہو کر چلے جائیں۔

۱۔ عبداللہ بن ابی کے انتقال کے وقت حضور ﷺ نے ایک کرتہ اسکو پہنا یا تھا۔ علما کا خیال ہے کہ اسی احسان کا معاوضہ طوطا تھا۔ ۲۔ اتفاق سے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس جماعت میں داخل تھے، لہذا ان سے زائد لیا گیا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا تو انکی زوجہ یعنی حضرت محمد رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی زینب رضی اللہ عنہا جو مکہ میں مقیم تھیں، انکو اطلاع دی۔ صاحبزادی نے ایک بار بھیج دیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا، حضور ﷺ نے اسکو دیکھا تو آنسو بھر آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اگر آپ سب راضی ہوں تو زینب کے پاس انکی والدہ کی یادگار واپس کر دوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بخوشی قبول کر لیا، اور ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کہہ دیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۳۔ یہ ہے ارشاد نبوی کا مظہر کہ علم و حکمت مسلمان کی غم شدہ پونجی ہے، جہاں ملے لے لے۔ اور یہ ہے اسلام کا عام رحم و کرم جسکی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

سوال: مسلمانوں کے اس برتاؤ سے کیا کیا نتیجے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب: (۱) اسلامی رواداری (۲) دشمنوں پر احسان (۳) اخلاق کے ذریعہ سے اسلام کی تبلیغ، (۴) تعلیم کی اہمیت اور ضرورت۔ چنانچہ کافروں کے استاذ بنانے سے بھی پرہیز نہ کیا گیا۔

سوال: حالت جنگ کی مختصر کیفیت بیان کرو۔

جواب: زمین اور آسمان دنیا کی تمام عمر میں ایک نیا تماشا دکھ رہے ہیں۔ میدان کے ایک کونے پر چند آدمی کھڑے ہوئے ہیں، کپڑے پھٹے ہوئے، چہرے فاقوں سے مرجھائے ہوئے، پاؤں ننگے، کوئی صرف لنگی باندھے ہوئے ہے، کسی کے بدن پر پھنا ہوا کرتا بھی ہے۔ چند آدمیوں کے ہاتھ میں چیتھڑوں سے لپٹی ہوئی تلواریں اور باقی ہیں کہ ان کے ہاتھ میں لاثمیاں ڈنڈے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دنیا بھر میں دس پانچ کے علاوہ کل یہی ہیں۔ نہ کوئی مددگار ہے نہ غم خوار، نہ کمک پہنچانے والا، نہ زخمیوں کے پٹی باندھنے والا۔ شہید ہوں تو دفن کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ نہ فتح پر کوئی جلوس نکالنے والا ہے، نہ شکست پر کوئی ان کے ساتھ مل کر رونے والا۔

اللہ رے ہمت، ٹوٹے پھوٹے ہیں مگر استقلال کے پہاڑ ہیں۔ مچلے ہوئے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، سچے نبی کے پیرو، فتح ہماری ہے۔ بدن ننگے ہیں مگر اللہ کی حفاظت پر دلیر۔ حقیقت یہ ہے کہ مقابلہ سخت سے سخت ہے۔ امتحان بہت کٹھن، دنیا یقیناً اس کی مثال سے خالی ہے۔^۱

انکا سردار ایک جھونپڑی کے نیچے زمین پر سر رکھے ہوئے ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ زبان پر فتح کی دعا، بار بار یہ الفاظ ادا کر رہا ہے: خدا یا! یہ مٹھی بھرتیرے پوجنے والے بندے، اگر آج مٹا دیے گئے تو دنیا میں کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہیگا۔

۱۔ یہی وجہ ہے کہ ان تین سو تیرہ حضرات کا مرتبہ سب سے بلند اور ان کے نام نامی آج تک مسلمانوں کی مشکلات کے لیے جز جان۔

خداوندی وعدوں سے خوش بھی ہیں، مگر اس کی بے نیازی کا خوف بھی دل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اسی میدان کے دوسری طرف خون خوار نو جوانوں کا بھاری لشکر پہاڑ کی طرح جما ہوا ہے۔ عیش اور دولت کی رونق چہروں پر، آنکھوں میں تکبر اور غرور کی مستی، سروں پر لوہے کے خود ہیں، زرہوں کی جگمگاہٹ سے گویا سمندر لہریں مار رہا ہے، ہتھیاروں کی چمک سے آنکھیں چکاچوند ہو رہی ہیں۔

عربی گھوڑوں پر سواروں کا دستہ آگے ہے۔ سات سوانٹ پیچھے جن پر بلا کے تیر انداز جتے ہوئے۔ سیکڑوں کی مقدار میں پیادہ فوج، چاروں طرف ابو جہل، عقبہ، شیبہ، امیہ بن خلف جیسے جرنیل مناسب موقعوں پر ان کی کمان کر رہے ہیں۔ ایک ایک سردار ہے کہ سارے لشکر کی رسد اپنے ذمہ لیے ہوئے۔

ارادہ کیے ہوئے ہیں کہ مٹھی بھر ننگے اور نہتے فقیروں کو پلک جھپکتے خاک میں ملا دیں گے۔ آن کی آن میں ان کے دھڑوں کو زمین پر تر پادیں گے، مگر بے خبر ہیں کہ خدا کی طاقت ان تمام مادی آلائشوں سے بالکل پاک ہے۔ اس کی امداد ہتھیاروں اور اوانٹ گھوڑوں کے جھگڑوں سے بہت بالا۔

اسی متکبر جماعت میں سے تین بہادر نکلتے ہیں، غرور کے لہجہ میں پکارتے ہیں: کون ہے جو ہمارے مقابلہ پر آئے؟ لشکر اسلام میں سے تین جانباز بہادر آگے بڑھتے ہیں، مگر یہ تینوں انصاری ہیں۔ تکبر کی حد ہو گئی کہ یہ غرور کے بدمست پتلے ناک چڑھا کر پکارتے ہیں: نہیں! ہماری برادری کے نو جوان سامنے آئیں، ان کسانوں سے مقابلہ ہماری توہین ہے۔

نورا حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم بھوکے شیر کی طرح میدان میں آکر گر جتے ہیں۔ ایک طرف ستھری میانون سے دوسری طرف چیتھروں سے تلواریں نکلتی ہیں اور ایک دوسرے کے خاتمہ کے لیے آگے بڑھتی ہیں۔ لیکن جگمگاہٹ کی چکاچوند

۱۔ عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ۔ (زاد المعاد: ۱۳۰/۳) ۲۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ، حضرت عوف بن

عمر، حضرت معاذ بن عمرو بن الجمح۔ (زاد المعاد: ۱۳۰/۳)

سے جب دیکھنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو دیکھا کہ تینوں کا فرزند زمین پر ڈھیر ہیں۔ البتہ مسلمانوں میں سے صرف حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہوئے۔ جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً مونڈھے پر بٹھالیا، محبوب رب العالمین کی رحمت نے فوراً شفقت کی گودی میں چھپالیا، پائے مبارک پر تکیہ لگا کر ان کو لٹا دیا۔ دست مبارک سے چہرہ کی گرد صاف فرمائی۔ شہید وفانے یہ انداز دیکھا تو اپنی موت بھول گیا، آنکھیں قدموں سے رگڑیں اور اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کے بعد دونوں فوجیں حرکت میں آئیں۔ گھمسان لڑائی کا آغاز ہوا۔ مگر جب تلواریں سوتی گئیں تو عجب تماشا تھا۔ اپنے عزیز واقارب، جگر کے ٹکڑے، آنکھوں کے نور تلواروں کے سامنے تھے۔

اگر ایک طرف خدا اور اس کے سچے مذہب کے نام پر اگر تمام رشتہ نامطے ختم ہو چکے تھے تو دوسری طرف تکبر، غرور، خود غرضی، کفر و ظلم کے سپاہیوں نے محبت اور پیار کے نور کو مٹا دیا تھا۔ بہر حال ایک گھمسان لڑائی کا نتیجہ حق والوں کی فتح تھی، جس کا بہت پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

سوال: ابو جہل کی موت کی طرح ہوئی؟

جواب: معاذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کو انصاری حقیقی بھائی تھے، ان دونوں نو عمروں نے عہد کیا تھا کہ ابو جہل کو بغیر مارے نہ چھوڑیں گے، مگر خود ابو جہل کو نہ پہچانتے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کر کے اس کو پہچانا۔ باز کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے اور ایک ہی وار میں زمین پر گرا دیا۔

ابو جہل کا بیٹا عکرمہ (جو بعد میں اسلام سے شرف ہوئے) چیچھے سے لپکا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مونڈھا اسکے حمل سے کٹ گیا، صرف ایک تسمہ باقی رہ گیا، لیکن یہ ہمت کا دیوتا اب بھی اسی طرح مصروف جہاد تھا، جب لٹکتے ہوئے مونڈھے سے فریضہ جہاد کی ادائیگی میں کچھ الجھن پیدا ہو گئی تو ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر اس تسمہ کو بھی الگ کر دیا، اور ایک ہاتھ سے تلوار چلاتا ہوا صاف میں گھس گیا اور فتح و نصرت کے جلو میں تھوڑی دیر بعد بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔

سوال: اس جنگ کا فائدہ کیا ہوا؟

جواب: (۱) بڑا فائدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت جواب تک کسی شمار میں نہ لائی جاتی تھی، اب ایک مستقل قوم بن گئی۔ (۲) اُس کی دھاک تمام قریش پر چھا گئی۔ (۳) عرب کی نظر اس کی طرف خاص وقعت سے پڑنے لگی۔

سوال: کیا اس فتح نے مسلمانوں کی مشکلات میں کچھ اضافہ بھی کر دیا؟

جواب: اسلام کی مشکلات میں اضافہ ضروری تھا، کیونکہ:

(۱) قریش پہلے سے زیادہ مقابلہ کے لیے مستعد ہو گئے۔ (۲) چنانچہ مدینہ کے یہودیوں پر پہلے سے زیادہ سختی کے ساتھ زور دیا کہ مسلمانوں کی مخالفت کریں۔ (۳) ابوسفیان نے عہد کر لیا کہ جب تک مسلمانوں سے بدلہ نہ لوں گا سر نہ دھوؤں گا۔ (۴) عرب کے دوسرے قبیلے بھی اب چوکنے ہو گئے۔ (۵) خاص کر مدینہ کے یہودیوں کے کینہ اور کپٹ کی کوئی حد نہ رہی۔ (۶) بالآخر قبیلہ بنو قینقاع نے فوراً ہی بدعہدی شروع کر دی اور پھر اسی سال جنگ کا اعلان کر دیا۔

سوال: بنو قینقاع کے اعلان جنگ پر حضور ﷺ نے کس طرح مقابلہ کیا اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: حضور ﷺ نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا کیونکہ مقابلہ سے بچ کر یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے، مگر پھر محاصرہ سے تنگ ہو کر شام چلے گئے۔

سوال: یہ محاصرہ کب شروع ہوا، کتنے روز رہا، اس عرصہ میں مدینہ کا خلیفہ کون رہا اور جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: ۱۵ شوال ۲ھ روز سنچر (ہفتہ) سے یہ محاصرہ شروع ہوا، جو پندرہ روز متواتر رہا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ علم بردار تھے، اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: ان لوگوں کی تعداد کیا تھی اور کیا کام کرتے تھے؟

جواب: تقریباً چھ سو مرد لڑنے والے تھے اور باقی بوڑھے بچے، عورتیں، ان کا پیشہ تجارت اور زرگری تھا۔

سوال: اس سال کل غزوے کتنے ہوئے اور کتنے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوے کل پانچ اور دستے تین۔

۳ھ

کے بڑے بڑے واقعات

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہجرت سے سولہ ماہ بعد ۳ھ میں حکم ہوا کہ اب کعبہ کی طرف رخ کیا جائے۔

(۲) حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی جو عرصہ سے بیمار تھیں اور جن کی بیماری کے باعث حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بدر کی شرکت سے روک کر فرمایا تھا کہ بیمار کی تیمارداری کرو، مگر ثواب جنگ بدر کے جہاد کا ملے گا۔

سب انبیاء علیہم السلام سے افضل نبی ﷺ کا یہ عجیب امتحان ہے کہ حضور ﷺ وہاں جنگ میں مصروف ہیں اور صاحبزادی کوچ میں مشغول۔ چنانچہ اس مبارک فتح کی خبر مدینہ طیبہ میں اُس وقت پہنچی جب کہ صاحبزادی صاحبہ کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔

(۳) روزے (۴) زکوٰۃ (۵) صدقہ فطر (۶) عید و بقر عید کی نماز کا حکم (۷) قربانی (۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح۔

خلاصہ

قریش کے قافلہ کو جو شام سے آرہا تھا، روکنے کے لیے ۱۲/رمضان ۳ھ کو حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے، لیکن وہ قافلہ راستہ کاٹ کر نکل گیا اور کفار مکہ کا ایک بڑا لشکر مقام بدر پر مقابلہ کے لیے آپہنچا۔ ۱۷/رمضان ۳ھ کو بدر کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں مسلمان کل تین سو تیرہ تھے۔ جن کے پاس کل دو گھوڑے تھے اور ستر اونٹ، ایک ایک اونٹ پر کئی کئی آدمی سوار تھے اور چند کھواریں۔ دوسری طرف ایک ہزار کے قریب جوان تھے۔ تمام ساز و سامان سے آراستہ۔ خداوندِ عالم نے اس موقع پر مسلمانوں کو بہت بڑی فتح عنایت فرمائی۔ قریش کے وہ مسلّمہ سردار جنہوں نے ہجرت کے وقت حضور ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا تھا، جن کی تعداد چودہ تھی۔ ان میں سے گیارہ مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا، ۵ آدمی ان کے علاوہ مارے گئے، ستر کافر گرفتار کیے گئے۔ مسلمان کل چودہ شہید ہوئے، جو ستر گرفتار ہوئے تھے اُن کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، فدیہ کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ امیروں پر اس سے کچھ زائد اور جن کے پاس کچھ نہ تھا، اُن کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

۳ھ

جنگِ غطفان و اُحد وغیرہ

سوال: ۳ ہجری کی بڑی اور مشہور لڑائیاں کونسی ہیں؟

جواب: جنگِ غطفان اور جنگِ اُحد۔

سوال: جنگِ غطفان کسی حملہ کا جواب تھا یا حضور ﷺ کی طرف سے حملہ؟

جواب: حملہ کا جواب تھا۔

سوال: حملہ کس نے کیا تھا؟

جواب: دُغُثُور نے۔

سوال: ”دُغُثُور“ کون تھا اور ”غطفان“ کسے کہتے ہیں؟

جواب: دُغُثُور ایک شخص کا نام ہے، جس کے باپ کا نام حارث تھا اور قبیلہ بنی محارب کا

رہنے والا، اور غطفان ایک قبیلہ کا نام ہے۔

سوال: یہ حملہ کیوں ہوا اور کہاں، اور حضور ﷺ نے اسکے جواب میں کیا کیا اور نتیجہ کیا ہوا؟
جواب: اس حملہ کی وجہ کفار کا وہی ارادہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے، جس کو بدر کی فتح نے اور بھی زیادہ مضبوط اور چست کر دیا تھا۔ چنانچہ دُغثور ایک بڑی جماعت کو لے کر مدینہ کی طرف چلا کہ مسلمانوں کو زک پہنچائے۔ حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ مقابلہ کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لائے مگر ”دُغثور“ اور اُسکے ساتھی رعب کھا کر پہاڑوں میں جا چھپے اور حضور ﷺ مطمئن ہو کر میدان سے واپس ہوئے۔

سوال: یہ حملہ کب ہوا اور دُغثور کے لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: ربیع الاول ۳ ہجری کو ہوا اور دُغثور کے ساتھ ۴۵۰ آدمی تھے۔

سوال: یہ لوگ کون سے قبیلہ کے تھے؟

جواب: قبیلہ بنی ثعلبہ اور بنی محارب کے۔

سوال: دُغثور کی واپسی لفر کی حالت میں ہوئی یا مسلمان ہو کر؟

جواب: مسلمان ہو کر۔

سوال: وہ کس طرح مسلمان ہوا؟

جواب: اس سفر میں اتفاقاً کچھ بارش ہو گئی تھی۔ میدان سے واپس ہو کر حضور ﷺ نے کپڑے اتارے اور ایک درخت پر سو کھنے کے لیے ڈال دیے۔ شاہدِ عالم ﷺ اُن کے سایہ میں آرام فرمانے کے لیے زمین پر لیٹ گئے۔ لشکر کے آدمی کچھ فاصلہ پر تھے۔ دُغثور نے پہاڑ کے اوپر سے حضور ﷺ کو تنہا دیکھا اور موقع مناسب سمجھ کر فوراً حضور ﷺ کے سر ہانے پہنچا اور تلوار کھینچ کر بولا: بتاؤ! اب

تسمیں کون بچائے گا؟ ”میرا خدا“ یہ اس سچے رسول کا جواب تھا جو اپنے خدا پر پورا پورا بھروسہ رکھتا تھا، مگر نہ معلوم ان چند سادہ کلموں کی کیا تاثیر تھی کہ دشور کانپ اٹھا، تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور ششدر رہ گیا۔

حضور ﷺ نے تلوار ہاتھ میں اٹھالی اور فرمایا: ”بتاؤ! تسمیں کون بچائے گا؟“ دشور خاموش تھا، کیونکہ اس کا بھروسہ ظاہری طاقت پر تھا وہ خدا کو نہ پہچانتا تھا اور وہ اب کفر کی عاجزی اور بے چارگی کو محسوس کر رہا تھا، اس کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا ”کوئی نہیں۔“ حضور ﷺ کو اس کی بے چارگی پر رحم آیا اور معاف فرما کر چھوڑ دیا، مگر اس سچائی اور سچے بھروسے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ نہ صرف وہ خود مسلمان ہو گیا، بلکہ اپنی قوم کے لیے اسلام کا زبردست مبلغ بن گیا۔ یہ تھے اخلاق اُس مقدس رسول کے جو اخلاق، شرافت کو مکمل کرنے کیلئے آیا تھا۔

خلاصہ

۳ ہجری میں دشور نے بنی محارب اور بنی نعلبہ کے قبیلوں سے ۳۵۰ آدمی لے کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ حضور ﷺ اس کے مقابلہ کیلئے باہر تشریف لائے تو وہ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ حضور ﷺ کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے۔ حضور ﷺ کے اخلاق کا دشور پر ایسا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر واپس ہوا اور پھر اسلام کی تبلیغ کرتا رہا۔

جنگِ احد

سوال: احد کس کو کہتے ہیں اور اس لڑائی کا جنگِ احد کیوں نام ہے؟
جواب: مدینہ کے قریب ”احد“ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی جگہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر بھی ہے اور چوں کہ یہ لڑائی اس مقام پر ہوئی تھی اس وجہ سے اس جنگ کو ”جنگِ احد“ کہتے ہیں۔

سوال: یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی اور کب ہوئی؟

جواب: مکہ کے کافروں سے ۷ شوال ۳ھ بروز دوشنبہ (پیر)

سوال: اس جنگ کی کیا وجہ تھی؟

جواب: جنگِ بدر کی شکست کا بدلہ لینا جس کا کافرا سی وقت سے انتظار کر رہے تھے۔

سوال: اس لڑائی میں کتنے مسلمان تھے، کتنے کافر؟

جواب: مسلمان سات سو، اور کافر تین ہزار۔

سوال: کیا منافق بھی شریک ہوئے تھے؟

جواب: شروع میں تین سو منافق حضور ﷺ کے ساتھ چلے تھے جس سے مسلمانوں کے لشکر کی تعداد ایک ہزار ہو گئی تھی، مگر ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول غداری کر کے راستہ ہی سے سب کو واپس لے آیا۔

سوال: مسلمانوں اور کافروں کا سامانِ جنگ بیان کرو۔

جواب: کافروں کے پاس سات سو زہیں تھیں۔ دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور چودہ عورتیں، جو جوش اور غیرت دلا کر جذبہ انتقام کی آگ بھڑکا رہی تھیں۔ مسلمانوں کے پاس صرف پچاس گھوڑے تھے۔

سوال: اسلامی لشکر کا جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

سوال: اسلامی لشکر کے سردار تو حضور ﷺ تھے، مگر لشکر کفار کا سردار کون تھا؟

جواب: ابوسفیان۔

سوال: مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

لے چنانچہ مکہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جب تک بدلہ نہ لے لیں، اس وقت تک اپنے مرے ہوئے عزیز کو کوئی نہ روئے۔ اسی طرح ابوسفیان نے غسل نہ کرنے کا عہد کیا تھا، جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

سوال: حضور ﷺ کو کفار کے اس حملہ کی کیسے خبر ہوئی؟

جواب: حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اسلام لا چکے تھے، مگر ابھی تک مکہ ہی میں رہتے تھے، انہوں نے تمام حالات لکھ کر حضور ﷺ کے پاس بھیج دیے۔ آپ نے فوراً دو آدمی تحقیقات کے لیے روانہ کیے، جنہوں نے آ کر خبر دی کہ کفار کا لشکر مدینہ کے پاس آپہنچا اور ”عُتَیْن“ مقام پر ٹھہرا ہوا ہے۔

سوال: اس لڑائی کی تفصیلات بیان کرو۔

جواب: چوں کہ شہر پر حملہ کا خوف تھا، لہذا اطلاع پاتے ہی شہر کے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا گیا، پھر صبح کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر، طے یہ ہوا کہ مقابلہ کے لیے باہر نکلا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ سات سو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ مقابلہ پر پہنچے تو دونوں طرف سے صفیں مرتب کی گئیں۔

چوں کہ ”أحد“ پہاڑ اسلامی فوج کی پشت پر تھا اور اس طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لیے حضور ﷺ نے پچاس آدمیوں کو وہاں کھڑا کر دیا اور یہ تاکید فرمادی کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا افسر مقرر فرما دیا۔ لڑائی شروع ہوئی اور گھمسان لڑائی دیر تک رہی۔ جب فوجیں کچھ نہیں تو مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا اور قریش کی جماعت بچھڑ گئی تھی۔ مسلمان آگے بڑھے اور مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑی والا دستہ بھی یہ دیکھ کر جھپٹا، اُنکے سردار نے بہت کچھ روکا، اور حضور ﷺ کی تاکید یاد دلائی۔ مگر یہ جواب دیا کہ جب فتح ہوگئی تو اب کیا خوف، مگر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ چند آدمی بدستور پہاڑی پر رہے۔

خالد بن ولید قریش کے بڑے جرنیل تھے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) انہوں

نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً ایک دستہ لے کر پہاڑی پر پہنچ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور باقی ماندہ ساتھیوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا، مگر آخر کار شہید ہو گئے۔ اور خالد بن ولید اپنے دستہ کے ساتھ پشت کی طرف سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، سامنے کی طرف سے بھاگتے ہوئے کافر بھی ٹھہر گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان سچ میں آگئے اور دونوں طرف سے کافروں کا ایسا سخت حملہ ہوا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی، مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اسلامی فوج کے علم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی اسی میں شہید ہو گئے، لیکن فوراً ہی شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھال لیا۔

ایک وحشت ناک نظارہ

خبر مشہور ہوئی کہ (نصیب دشمنان) حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ اس خبر سے اسلامی فوج میں اور بھی مایوسی چھا گئی۔ بڑے بڑے بہادروں نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن ہاں اس خیال نے کہ پیارے آقا کے بعد زندگی بے کار ہے، جو سب سے پہلے حضرت انس بن نصر رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا، انہوں نے چمن جنت کی مہک سونگھی اور اسی میں تیر و تلوار اور نیزہ کے تقریباً نوے زخم کھا کر ہمیشہ کیلئے مست ہو گئے۔ مگر وہ خیال ایک بار ودھتا، جس نے مایوسی کی سوزش کو جوش اور استقلال کا شعلہ بنا کر بھڑکا دیا، بیٹھے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، تلواریں سونتیں اور پھر بھوکے شیر بن گئے۔ یہاں تک کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مشتاق آنکھ اس قبلہ مقصود کے نظارہ سے مشرف ہو گئی، جس کا دیدار آج تمام مسلمانوں کی آنکھوں کے لیے آخری تماشا بنا ہوا تھا۔ مشتاق دیدار کا تڑپتا ہوا دل برداشتہ نہ کر سکا۔ بے اختیار ایک آواز نکلی:

”مسلمانو! مبارک ہو، تمہاری گردنوں کے مالک، سروں کے تاج اور رگوں کے آقا

خیریت سے ہیں۔“

اس مبارک آواز کا سننا تھا کہ بے جان مسلمانوں کی روئیں قابلوں میں اُچھل پڑیں۔ ایک تازہ زندگی کی لہر نے مایوسیوں کا خاتمہ کر دیا۔ اُکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ سرفروش

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے مالک کی طرف دوڑے، مگر ساتھ ہی اس خبر نے کفار کے حملہ کا رخ سب طرف سے حضور ﷺ کی طرف کر دیا۔ پے در پے حملے شروع ہو گئے، مگر حضور ﷺ محفوظ رہے۔ اسی دوران میں جب کہ ایک مرتبہ کفار کا حملہ بہت سخت تھا، شاہِ دو جہاں کی زبان مبارک سے یہ ارشاد صادر ہوا۔

”کون مجھ پر جان دیتا ہے؟“ فوراً پانچ گردنیں جھکیں، جن میں حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی تھے اور بے ہنگری سے مقابلہ کرتے ہوئے قدموں پر نثار ہو گئے۔

مگر قریش کا مشہور بہادر عبداللہ بن قمیہؓ گھات لگا کر حضور ﷺ تک پہنچ ہی گیا۔ چہرہ انور پر تلوار سے حملہ کیا۔ جس سے خود کی دو کڑیاں روئے مبارک میں گھس گئیں۔ ایک دندان مبارکؓ بھی شہید ہو گیا، صحابہ نے اس کو لے لیا۔

زخمی آفتاب سے خود کی کڑیاں نکالنے کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جھپٹے، مگر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے قسم دی ”خدا کے لیے اس خدمت کا موقع مجھے عنایت ہو“ کڑیاں اس قدر گڑی ہوئی تھیں کہ ہاتھ سے نکالنا مشکل ہوا۔

دانتوں سے ایک کڑی نکالی، جس سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا ایک دانت گر گیا۔ دوسری کڑی نکالنے کے لیے پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، لیکن فدائے حق ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے دانتوں کا شوقِ شہادت ابھی سیر نہ ہوا۔ انہوں نے پھر قسم دے کر فوراً ہی دوسری کڑی بھی دانتوں میں لے لی جس سے نکالنے کیساتھ دوسرا دانت بھی نذر کر دیا۔ لیکن مشتاقِ شہادت چہرہ انور کی دو کڑیوں کے مقابلہ میں دو دانتوں کو کیا سمجھ سکتا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے خون چوسنا

۱۔ یہ کم سے کم تعداد ہے، سات اور دس کی روایتیں بھی ہیں۔ ۲۔ زاد المعاد میں یہ نام نہیں ملا، البتہ زاد المعاد میں اس

موقع پر ”عمرو بن قیس“ کا ذکر ہے۔ تکلیف پہچانے والوں میں دوسرا شخص عتبہ بن ابی وقاص تھا۔ (زاد المعاد: ص ۱۵۱/۳)

۳۔ دانت نیچے کا تھا۔ (زاد المعاد: ص ۱۵۱/۳) ۴۔ اسی گھسان میں حضور ﷺ (روحی فداہ) اس گڑھے میں بھی گرے،

جو ابو عامر نے کھود کر پاٹ رکھا تھا، مگر فوراً ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دست مبارک پکڑا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ

نے بغل بھری۔ (زاد المعاد: ص ۱۵۱/۳) ۵۔ کنز العمال، زاد المعاد: ص ۱۵۱/۳

شروع کر دیا، اگرچہ وہ اس سے بہت زیادہ تھا مگر ایک قربان ہونے والے دل کا یہی دلولہ تھا۔

رحمت عالم ﷺ کی عام شفقت

کفار کا حملہ اس حالت میں بھی کم نہ تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ پر چھائے ہوئے تھے اور ان کی تلواروں اور تیروں کو اپنی پشت اور پہلوؤں پر لے رہے تھے۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جھک کر حضور ﷺ کی ڈھال بن گئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک پہلو تیروں اور تلواروں کے سامنے کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کا ہاتھ کٹ کر گر گیا، لیکن وہ ایک گوشت کا ٹکڑا تھا جو مست نظارہ کے بدن سے گر گیا۔ بعد میں دیکھا گیا تو جاں باز طلحہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر ستر زخم تھے۔ بد بخت کفار حسد اور بغض کی آگ تیروں اور تلواروں سے برسا رہے تھے اور خبیث کینہ کی خونی پیاس بجھانے کی ہر طرح کوشش کر رہے تھے، مگر جو نبی تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا، اُس کی رحم پرور زبان اب بھی اسی دعائیں مشغول تھی:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ.

”اے میرے پروردگار! میری قوم کو معاف فرما، وہ جانتے نہیں۔“

خون کے فوارے چہرہ انور سے جاری تھے، مگر حضور ﷺ پوری احتیاط فرما رہے تھے کہ کوئی قطرہ زمین پر نہ گرے، ورنہ خدا کا قہر نبی کے خون کا بدلہ لے گا اور ساری قوم تباہ ہو جائے گی۔

سوال: کفار کی فوج میں سے پہلے کس نے حملہ کیا؟

جواب: ابو عامر فاسق نے جس کا نام عبد اللہ بن عمر وصفی تھا۔

یہ ابو عامر دراصل مدینہ کا رہنے والا تھا اور اسلام سے پہلے قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب مدینہ میں اسلام کا چرچا شروع ہوا اور لوگ حضور ﷺ کے گرویدہ ہونے لگے تو یہ حسد کی وجہ سے حضور ﷺ سے کھلم کھلا دشمنی کرنے لگا۔ آخر کار مدینہ سے نکل کر چلا گیا اور قریش سے جا ملا۔ ان کو ہمیشہ حضور ﷺ کی دشمنی پر اور مسلمانوں سے جنگ کرنے پر بھڑکا تا رہا۔ اس نے اس جنگ کے موقع پر قریش کو اطمینان دلایا تھا کہ جب میری قوم مجھ کو دیکھے گی تو حضور ﷺ =

سوال: اس غزوہ میں شکست کیوں ہوئی؟

جواب: باہمی اختلافات اور حضور ﷺ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل نہ کرنے سے، جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔

سوال: اس سے کیا سبق حاصل ہوا؟

جواب: سردار اور جنرل کا حکم ماننا لازم ہے، مگر یہ کہ کھلم کھلا غلطی ہو یا شریعت کے خلاف ہو۔

سوال: اس لڑائی میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کافر کتنے مرے؟

جواب: ستر مسلمان شہید ہوئے اور کافر ۲۲ یا ۲۳ مرے۔^۱

سوال: اس سال میں اور کتنی لڑائیاں ہوئیں، غزوے کتنے اور سریہ کتنے؟

جواب: ایک غزوہ اور ہوا، یعنی غزوہٴ حراء الاسد اور دوسریہ۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما سے نکاح۔ (۲) شراب

حرام ہوئی۔ (۳) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

سوال: یہ نکاح کس کس ماہ میں ہوئے؟

جواب: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے شعبان میں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے رمضان میں۔

خلاصہ

۷/ شوال روزِ دو شنبہ (پیر) ۳۔ ہجری میں اُحد پہاڑی کے پاس وہ مشہور جنگ ہوئی، جس کو جنگِ اُحد کہتے ہیں۔ جس میں کفارِ مکہ نے تین ہزار فوج کی جمعیت سے غزوہٴ بدر کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اطلاع سے جب حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو مشورہ کے بعد خدا کے نام پر سات سو مسلمان

= کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آ ملے گی۔ لیکن یہاں جب اپنی قوم کو بلانا چاہا تو معاملہ برعکس تھا۔ کہنے لگا: میرے بعد میری قوم بگڑ گئی، پھر سختی سے مقابلہ کیا۔ اس کو ابو عامر راہب ”سادھو“ کہا جاتا تھا، حضور ﷺ نے اس کو ”ابو عامر

مقابلہ کے لیے نکلے۔ اول اول عبداللہ بن ابی منافق بھی تین سو کی فوج مسلمانوں کے ساتھ لے کر چلا تھا۔ مگر پھر غداری کی اور راستہ ہی سے واپس ہو گیا۔ مسلمان اسی بے سرو سامانی میں تھے اور کافروں کے پاس سات سو زرہیں تھیں۔ دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ۔ جوش کی یہ حالت تھی کہ چودہ عورتیں بھی قومی ترانے پڑھنے کے لیے ساتھ آئی تھیں۔ بہر حال فوجیں ترتیب دی گئیں، حضور ﷺ نے ایک دستہ پچاس آدمیوں کا اسلامی فوج کی پشت کی طرف اُحد پہاڑی پر بٹھا دیا کہ اس طرف سے حملہ نہ ہو سکے۔ اول اول مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غنیمت کا مال لینا بھی شروع کر دیا، مگر پھر شکست ہوئی، حتیٰ کہ حضور ﷺ زخمی ہو گئے۔ دندان مبارک شہید ہو گیا۔ عبداللہ بن قیس نے موقع پا کر حضور ﷺ پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ چہرہ انور میں خود کی دو کڑیاں ٹکس گئیں جن کو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے نکالا۔ مگر ان کے دودانت بھی گر گئے۔ کفار تیر ہزار ہے تھے جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم کا جھوم اپنے اوپر لے رہا تھا۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ حملوں کے سامنے کمر کیے ہوئے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بازو پر تیروں اور تلواروں کے حملے لے رہے تھے۔ بازو شل ہو گیا اور ستر زخم بدن مبارک پڑے۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا، مگر رحمت عالم کی زبان مبارک پر اب بھی یہی تھا:

”خدا یا! میری قوم کو معاف فرما، وہ مجھے پہچانتے نہیں۔“

شکست کی وجہ صرف پشت والے دستہ کی غلطی تھی۔ اُس نے حضور ﷺ کا مطلب غلط سمجھا اور جلد بازی سے کام لیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۴۴

خون بے گناہ

سوال: ۴۴ ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے: بنو نضیر کا غزوہ اور بدر کی چھوٹی لڑائی، اور چار دستے روانہ کیے گئے۔

سوال: بنو نضیر تو مدینہ کے یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، اس سے جنگ کیوں ہوئی اور کس طرح؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہودیوں نے اس معاہدہ کی پابندی نہ کی تھی جو امن وامان

قائم رکھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد فوراً ہی کر لیا تھا۔ اس کی مخالفت پہلے تو بنو قینقاع نے کی، چنانچہ ان کو نکلنا پڑا۔ اب بنو نضیر نے کی، لہذا ان کو بھی جلاوطن ہونے کا حکم دیا گیا، مگر عبد اللہ بن ابی اور یہودیوں کے دوسرے قبیلے ”بنو قریظہ“ کے ابھارنے سے انہوں نے جنگ کی تیاری کی۔ حضور ﷺ نے ان پر چڑھائی کی۔ وہ لوگ قلعہ میں بند ہو گئے، کچھ دن ان کا محاصرہ رہا، آخر کار مجبور ہو کر جلا وطنی کو منظور کر لیا۔

سوال: کیا ان لوگوں کو سامان لے جانے کی بھی اجازت تھی یا سامان ضبط کر لیا گیا؟
جواب: حکم یہ ہوا کہ ہتھیاروں کے علاوہ جس قدر وہ سامان اونٹوں پر لاد کر لے جائیں وہ لے جائیں۔

سوال: مدینہ کا خلیفہ کس کو قرار دیا گیا اور یہ محاصرہ کتنے روز رہا؟
جواب: خلیفہ حضرت ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنادیا گیا تھا اور محاصرہ چھ روز رہا۔

سوال: انہوں نے بد عہدی کس طرح کی؟
جواب: حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی۔

سوال: اس سازش کی تفصیل بیان کرو؟
جواب: ۴۷ھ ہجری کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ ایک قومی چندہ کے سلسلہ میں بنو نضیر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھادیا اور ایک شخص ابن حجاج نامی کو متعین کر دیا کہ وہ اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر حضور ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔

سوال: پھر حضور ﷺ کس طرح بچ گئے؟
جواب: خداوند عالم نے آپ کو اس شرارت سے مطلع فرمادیا۔

سوال: یہود کے ذاتی بغض اور کینہ کے علاوہ کیا اس کا سبب کچھ اور بھی تھا؟

جواب: قریش کے کفار کا ایک خط بھی اس کا سبب تھا جو انہوں نے بدر کی شکست کے بعد مدینہ کے یہودیوں کے نام لکھا تھا۔

سوال: اس خط کا مضمون کیا تھا؟

جواب: تم طاقت ور ہو، تمہارے پاس قلعے بھی ہیں۔ تم محمد سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ بھی ایسا اور ایسا کریں گے، تمہاری عورتوں کی پازیب تک اتار لیں گے۔

سوال: بنو نضیر مدینہ سے کس طرف نکلے اور پھر کہاں جا رہے؟

جواب: چھ سواونٹوں پر اپنا اسباب لاوا۔ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے گرایا، باجے بجاتے ہوئے نکلے اور خیر جا رہے۔

سوال: ان کی جائیدادوں اور زمینوں کا کیا ہوا؟

جواب: بحق حضور ﷺ ضبط کر لی گئیں۔

سوال: ان کے پاس سے کتنے ہتھیار ملے؟

جواب: پچاس زرہیں، پچاس خود، تین سو چالیس تلواریں۔

سوال: چار دس سال بھیجے گئے، اُن میں میرِ معونہؓ والا دستہ سب سے زیادہ کیوں مشہور ہے؟

جواب: کیونکہ اس میں ستر صحابہ حفاظِ قرآن رضی اللہ عنہم کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

سوال: ان لوگوں کو کہاں بھیجا گیا تھا اور کیوں اور لوگوں نے کس وجہ سے شہید کر دیا؟

جواب: اصل یہ ہے کہ ان حضرات کو نجد والوں کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا تھا، مگر جب یہ حضرات اُس مقام پر پہنچے جو ”میرِ معونہ“ کے نام سے مشہور ہے تو چند قبیلے لڑائی

کے لیے کھڑے ہو گئے اور اتفاق ایسا ہوا کہ ایک ”حضرت کعب بن زید رضی اللہ عنہ“ کے علاوہ سب حضرات شہید کر دیے گئے۔

سوال: اس دستے کے سردار کون تھے؟

جواب: ”منذر“ پسر عمر و انصاری رضی اللہ عنہ۔

سوال: کیا اس دستے کی روانگی میں کسی کی سازش بھی تھی؟

جواب: ابو براء عامر کا فریب تھا۔ اس نے یقین دلایا تھا کہ یہ تبلیغ کامیاب ہوگی اور یہ لوگ محفوظ رہیں گے، کیونکہ نجد کا حاکم میرا بھتیجا ہے، مگر پوشیدہ طور پر قبائل کو قتل کے لیے آمادہ کیے ہوئے تھا۔

سوال: وہ قبیلے کون تھے جنہوں نے یہ ظلم کیا؟

جواب: عامر، رعل، ذکوان، غصیہ۔

سوال: یہ روانگی کب ہوئی؟

جواب: ماہ صفر ۳۲ ہجری میں۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش (۲) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ یہودی لکھائی سیکھ لیں۔

خلاصہ

۳۲ ہجری میں بنو نضیر نے اپنی عداوت اور قریش کے بھڑکانے پر حضور ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ جس پر ان کو مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے۔ اور اسی سال بیر معونہ کا مشہور واقعہ پیش آیا جس میں ستر حفاظ قرآن کو عامر، رعل، ذکوان اور عصیہ قبیلے والوں نے شہید کر دیا تھا جو ابو براء عامر کی پرفریب درخواست کی بنا پر نجد والوں کی تبلیغ کے لیے جا رہے تھے۔

۵۵

غزوہ خندق یا غزوہ احزاب

سوال: ۵۵ ہجری کی سب سے بڑی لڑائی کونسی ہے؟

جواب: احزاب یا خندق کا غزوہ۔

سوال: اس کو غزوہ احزاب کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ اس جنگ میں عرب کی بڑی بڑی جماعتیں ایک ہو کر مدینہ پر چڑھ آئی تھیں۔ اس لیے اس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں، کیونکہ احزاب کے معنی ہیں: جماعتیں۔ حزب: جماعت، اس کی جمع احزاب۔

سوال: اس جنگ کو غزوہ خندق کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ اس جنگ میں مدینہ کے گرد اگر خندق یعنی کھائی کھودی گئی تھی۔

سوال: اس جنگ کی وجوہ کیا تھیں؟

جواب: وہی کفار کی پرانی دشمنی اور اسلام کو مٹا دینے کی ۱۸ سالہ تمنا جس کا اثر بدر اور احد کے بعد تمام عرب میں پھیلنے لگا تھا۔ چنانچہ دشور کا حملہ اور بیر معونہ وغیرہ کے واقعات اسی کا نتیجہ تھے۔

سوال: اس جنگ میں کون کون لوگ شریک تھے؟

جواب: عرب کے بت پرست کافر اور یہودی۔

سوال: اس جنگ کی تیاریاں کس کس فریق نے کس کس طرح کیں اور کیا کیا سازش عمل میں لائی گئی؟

جواب: اس سے پہلے صرف عرب کے کافر باہر سے حملہ کیا کرتے تھے، مگر بنو نضیر اور بنو قینقاع کے یہودی جو اپنی بدعہدیوں کے باعث مدینہ سے نکال دیے گئے

تھے، اس مرتبہ نہ صرف یہ کہ حملہ آوروں کی صف میں تھے، بلکہ وہ سازش کرنے میں برابر کے شریک تھے۔ دوسری طرف مکہ کے کافروں نے دوسرے قبیلوں کے بھڑکانے میں جان توڑ کوشش کی اور تقریروں اور قصیدوں کے ذریعہ سے عرب کی تمام بڑی بڑی جماعتوں میں جوش پیدا کر دیا۔ چنانچہ مکہ سے مدینہ تک تمام قبیلوں میں عداوتِ اسلام کی ایک آگ سی لگ گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اس سال جو چھوٹی چھوٹی لڑائیاں واقع ہوئیں، وہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں اور آخر کار سب نے ایک ہو کر مدینہ پر ہلہ بول دیا۔

سوال: یہ حملہ کون سے مہینہ میں ہوا؟

جواب: ذی قعدہ میں۔

سوال: غزوہ خندق میں مسلمان کتنے تھے اور کافروں کے متفقہ لشکر کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: مسلمان کل تین ہزار اور کافروں کی تعداد اول اول دس ہزار تھی۔ پھر اس سے بڑھ کر تقریباً دو گنی ہو گئی۔

سوال: یہودیوں کا تیسرا قبیلہ جو ابھی تک مدینہ میں آباد تھا، یعنی بنو قریظہ، اس نے اس موقع پر کیا کیا؟

جواب: بد عہدی کی اور لڑنے والوں کے ساتھ مل گیا، جس سے ان کی تعداد میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا۔

سوال: اس موقع پر خندق کیوں کھودی گئی تھی؟

جواب: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کفار کی تعداد بہت کچھ تھی اور مسلمان کل تین ہزار۔ اس کے علاوہ خود مدینہ کے رہنے والے بنو قریظہ کے یہودی۔ اگرچہ اول اول انہوں نے لڑائی کا اعلان نہ کیا تھا، مگر ان کی طرف سے خطرہ بہت پختہ تھا۔ چنانچہ بعد کو کھل گیا۔ اس سب سے زیادہ منافقوں کی خاصی جماعت علیحدہ آستین کا سانپ

بنی ہوئی تھی۔ لہذا مناسب نہ سمجھا گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، بلکہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کی رائے ہوئی اور جس طرف سے کفار کے گھس آنے کا خیال تھا اس طرف ایک کھائی کھودی گئی۔

سوال: خندق کھودنے کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: یہ خندق کن لوگوں نے کھودی؟

جواب: تمام مسلمانوں نے جن میں خود حضرت رسالت پناہ ﷺ بھی موجود تھے۔

سوال: اس خندق کے کھودنے میں کتنے دن صرف ہوئے؟

جواب: چھ روز۔

سوال: یہ خندق کتنی گہری کھودی گئی؟

جواب: پانچ گز۔

سوال: اس خندق کے پار کفار کتنے دنوں گھیرا ڈالے (محاصرہ کیے ہوئے) پڑے رہے؟

جواب: پندرہ روز۔

سوال: اس زمانہ میں مسلمانوں کی اور خود حضور ﷺ کی کیا حالت رہی؟

جواب: مسلمانوں پر تین تین دن کے فاقے گزر گئے۔ کمر کو سہارا دینے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ رہے تھے۔ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے دربار رسالت میں بھوک کی شکایت کی اور پیٹ کے پتھر کھول کر دکھائے۔ حضور ﷺ نے اپنا شکم مبارک بھی کھول کر دکھایا تو ہر ایک مسلمان کے پیٹ پر ایک پتھر تھا اور حضور ﷺ کے شکم مبارک پر دو۔

۱۔ ایک طرف ”سُلع“ پہاڑ تھا۔ اس کے سامنے خندق کھودی گئی۔ مسلمان سلع پہاڑ اور خندق کے بیچ میں رہے اور خندق کے اس پار کافر۔ (زاد المعاد: ۱۹۸/۳)

مشغولیت کی یہ حالت تھی کہ ایک روز حضور ﷺ کی چار نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ خندق کھودتے کھودتے ایک مرتبہ پتھر کی بہت بڑی چٹان نکل آئی جس سے سب صحابہ عاجز ہو گئے۔ بالآخر مشکلات کی پناہ یعنی حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ کا یہ معجزہ تھا کہ وہ پتھر جس کو صحابہ ہلا بھی نہ سکے تھے حضور ﷺ کے ایک وار نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

سوال: اس محاصرہ کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

جواب: پندرہ روز کے عرصہ میں کفار کا سامانِ رسد بھی ختم ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بزرگ تھے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے ایک تدبیر کی جس سے خود کفار کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اس طرف خداوندِ عالم کی طرف سے نبی امداد ہوئی۔ آندھی کا ایسا طوفان آیا کہ تمام خیمے اکٹھ گئے، چوہوں سے دیگچیاں الٹ گئیں، ان واقعات نے کفار کو بدحواس بنا دیا اور وہ محرومی کے ساتھ بھاگے۔

سوال: کیا اس موقع پر کچھ جنگ ہوئی؟

جواب: جب کفار خندق کو نہ پھاند سکے تو انہوں نے مسلمانوں پر پتھر اور تیر پھینکے، جس کا جواب مسلمانوں نے بھی دیا اور ہاں ایک دو کافر پھاند بھی آئے جن سے تلوار کی دودھ و جنگ ہوئی۔

سوال: بنو قریظہ کے اس دھوکے کا کیا جواب دیا گیا؟

جواب: جنگ احزاب سے فراغت کے بعد ان پر حملہ کیا گیا۔ حملہ کی وجہ یہ بھی تھی کہ بنو نضیر کا سردار ”حتی بن اخطب“ جس نے ان کو غداری پر آمادہ کیا تھا ان ہی کے پاس مقیم تھا۔ مگر یہ لوگ قلعہ میں گھس گئے، پچیس روز برابر محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار مجبور ہو کر حضور ﷺ سے درخواست کی کہ قبیلہ اس کے سردار حضرت سعد بن

لہ ان میں ایک ”عمرو بن عبدود“ تھا جو عرب کا بہت بڑا بہادر تھا جس کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قتل کر دیا۔

معاذ رضی اللہ عنہ کو بیچ قرار دیا جائے۔ جو وہ فیصلہ کریں گے وہ منظور ہوگا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی شریعت کے مطابق ہی فیصلہ صادر فرمایا تھا جس کا حاصل یہ تھا: (۱) لڑ سکنے والے مرد قتل کیے جائیں۔ (۲) عورتیں اور بچے غلام بنالے جائیں۔ (۳) مال تقسیم کیا جائے۔

بہر حال اس فیصلہ پر ایک حد تک عمل کیا گیا۔

سوال: اس موقع پر اسلامی جھنڈا کس کے پاس تھا اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا گیا تھا۔ اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔

سوال: بنو قریظہ اور خندق کی جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

جواب: تقریباً دس۔

سوال: کیا جنگ خندق اور بنو قریظہ کے علاوہ کوئی اور جنگ بھی اس سال ہوئی؟

جواب: تین غزوے ہوئے: (۱) ذات الرقاع (۲) دومتہ الجندل (۳) بنی مصطلق۔

مگر مقابلہ صرف جنگ بنی مصطلق میں ہوا اور فتح ہوئی۔

سوال: کیا اس سال کچھ دسے بھی روانہ کیے گئے؟

جواب: نہیں۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) ماہ جمادی الاولیٰ میں حضور ﷺ کے نواسے حضرت عبداللہ نے وفات پائی۔ جو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا م حرمہ کے بطن سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ (۲) بعض علماء کے قول کے مطابق شوال میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کی والدہ نے وفات پائی۔ (۳) ۸ جمادی الثانیہ کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ذی قعدہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا۔ (۴) مدینہ میں زلزلہ آیا۔ (۵) چاند گرہن ہوا۔ (۶) عموماً علماء کا خیال ہے کہ حج بھی اسی سال فرض ہوا۔

خلاصہ

۵۵ ہجری میں یہودیوں اور قریش نے مل کر مسلمانوں کو تباہ کر دینے کے لیے آخری کوشش کی۔ تمام عرب کے بڑے بڑے قبیلوں کو متحد کر کے اسلام پر حملہ کیا۔ مدینہ کے باقی ماندہ یہودیوں (بنو قریظہ) نے بھی مسلمانوں سے غداری کر کے کفار کا ساتھ دیا۔ دس ہزار کا لشکر ہزار مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا۔ موجودہ حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے باہر نکل کر مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔ لہذا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رائے کے بموجب خطرناک ناکوں پر خندق کھود دی گئی۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی، کفار اس کو پھانسی نہ سکے، مسلمان محفوظ رہے۔ ۱۵ روز تک برابر محاصرہ کیے رکھا۔ آخر کو کچھ نیبی امداد، کچھ باہمی پھوٹ، کچھ رسد کے ختم ہونے نے ان کو بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ بنو قریظہ نے اذل تو دھوکا دیا تھا۔ دوسرے ان کو بھڑکانے والا اسلام کا باغی حتی بن اخطب بنو نضیر کا سردار ان کے پاس ہی چھپا ہوا تھا۔

لہذا غزوہ خندق سے فراغت کے بعد فوراً ہی بنو قریظہ پر حملہ کیا گیا، مگر وہ لوگ قلعہ میں گھس گئے۔ مجبور ہو کر قبیلہ اوس کے مسلمانوں کو بیچ میں ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بیچ قرار دیا جائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ صادر کیا، جس کا حاصل یہ تھا: لڑ سکتے والے نوجوانوں کو قتل کیا جائے۔ عورتوں، بچوں کو غلام بنایا جائے۔ تمام مال تقسیم کر لیا جائے۔

۵۶

امن وامان کا دور، ظلم و غرور کا خاتمہ، کفر کی شکست اور اسلام کی فتح، حُدُیْبِیہ کی صلح، بیعت رضوان، مسلمان ہونے کے لیے بادشاہوں کے پاس خطوط

سوال: ۶ ہجری کا سب سے بڑا واقعہ کیا ہے؟

جواب: حُدُیْبِیہ کی صلح۔

سوال: حُدُیْبِیہ کس چیز کا نام ہے؟

جواب: ایک کنوئیں کا نام ہے اور اسی کے نام سے اس کے قریب ایک گاؤں آباد ہے۔

سوال: یہ کنواں کہاں ہے؟

جواب: مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر۔

سوال: حضور ﷺ وہاں کیوں تشریف لے گئے؟

جواب: حضور ﷺ کو وطن مبارک یعنی مکہ معظمہ چھوڑے ہوئے قریب قریب چھ سال

ہو گئے تھے۔ مکہ معظمہ وہ شہر تھا جو علاوہ حضور ﷺ کا وطن ہونے کے، اللہ کے گھر

کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے تھا، اَوَّل تو وطن کا شوق، پھر خانہ کعبہ یعنی خداوندِ عالم

کی تجلّی گاہ جس کی طرف مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے تھے اور جس کے

گرد گرد طواف کرنا حج میں ان پر فرض ہوا تھا۔ اس کی زیارت کی تمنا تمام

مسلمانوں کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھی۔

اس شوق و تمنا کو پورا کرنا کے لیے ذی قعدہ ۶ ہجری میں صحابہ کی ایک بڑی

جماعت کے ساتھ حضور ﷺ نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور اس مقام

تک پہنچے جس کا نام ”حُدُیْبِیہ“ ہے۔

سوال: مکہ کے کافر حضور ﷺ اور تمام مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر مکہ میں داخل ہونے کی کیا صورت نکالی؟

جواب: حضور ﷺ نے خدیجہؓ پہنچ کر حضرت عثمان غنیؓ کو مکہ بھیجا کہ قریش کو خبر کر دیں کہ حضور ﷺ کا مقصد اس سفر سے صرف خانہ کعبہ کی زیارت ہے۔

سوال: کیا قریش نے اجازت دے دی؟

جواب: اجازت تو نہ دی، ہاں! سہل بن عمرو صلح کے لیے بھیجا۔ چنانچہ حضور ﷺ اور کفار قریش میں صلح ہو گئی۔

سوال: اس صلح میں کیا کیا باتیں طے ہوئیں؟

جواب: (۱) مسلمان اس وقت واپس ہو جائیں۔ (۲) آئندہ سال کعبہ مکرمہ کی زیارت کریں، مگر صرف تین دن قیام کر کے واپس ہو جائیں۔ (۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ تلوار ساتھ میں ہو تو میان میں چھپی ہوئی۔ (۴) اگر کوئی شخص آپ کے پاس چلا جائے اس کو آپ واپس کر دیں اگرچہ مسلمان ہو کر جائے اور جو شخص آپ کے پاس سے واپس ہو کر ہمارے پاس آجائے گا اس کو ہم واپس نہ کریں گے۔ (۵) اس صلح کی مدت دس سال ہوگی۔ (۶) اس عرصہ میں کوئی جنگ نہ ہوگی، نہ بد عہدی اور دھوکا ہوگا۔

سوال: کیا اور قبیلے بھی اس معاہدے میں شریک ہوئے تھے؟

جواب: بنی خزاعہ حضور ﷺ کے ساتھ ہو گئے تھے اور بنی بکر قریش کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل تھے۔

سوال: یہ تمام شرطیں جو بظاہر مسلمانوں کیلئے بہت دلی ہوئی تھیں، کیوں منظور کی گئیں؟

جواب: خدا کا حکم یہی تھا۔

سوال: کیا مسلمانوں کو ان دبی ہوئی شرطوں سے ناگواری نہ ہوئی؟

جواب: بہت کچھ ناگواری ہوئی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”جب ہم حق پر ہیں تو کیوں دیں۔“ مگر حضور ﷺ کا ارشاد تھا: ”خدا کا یہی حکم ہے۔“ اس پر سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔

سوال: قرآن پاک میں اس صلح کو فتح مبین کیوں کہا گیا؟

جواب: (۱) حقیقت میں یہ صلح بہت بڑی فتح ہے۔ گزشتہ کے خیال سے تو اس لیے کہ مسلمانوں کی وہ مٹھی بھر جماعت جس کو تباہ کرنا کفار بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے تھے اور جس کو معاذ اللہ فقیروں اور بھوکوں کی ایک بھیڑ کہا کرتے تھے، جس سے منہ لگا کر بات کرنا بھی ان کے غرور کے مخالف تھا۔ مکہ والوں بلکہ تمام عرب کی کوشش کے باوجود اس کا فائدہ ہونا اور اس قوی جماعت کا مجبور ہو کر صلح کی طرف ہاتھ بڑھانا حقیقت میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑی فتح ہے۔ کیونکہ قوی کا مجبور ہو کر کمزور سے صلح کرنا کمزوری کی فتح ہوا کرتی ہے۔

۱۔ تھوڑے تال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ بھی اب اس صلح کے لیے مجبور تھے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی جماعت اگرچہ چھوٹی تھی۔ مگر حضور ﷺ کی سیاسی تدبیروں اور اس جماعت کی سرفروشی اور فداکاری نے اس بڑی جماعت کو ناک چنے چبوائے تھے۔ ایک طرف جن قبیلوں سے ممکن ہوا حضور ﷺ نے صلح کر لی۔ دوسری طرف کفار مکہ کی تجارت اور آمدنی کے ذریعے کو نقصان پہنچا کر اسے پریشان کر دیا، اس کے علاوہ مسلمانوں کی فداکاری نے ان کے چکے چھڑائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر ہبل بن عمرو سے پہلے عروہ نامی گفتگو کرنے آیا۔ اس نے جا کر اپنی قوم کو ان الفاظ میں صلح کا مشورہ دیا۔ میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں کو دیکھا ہے۔ مگر یہ جائزہ دے کر، یہ قربانی خدا کی قسم کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (ﷺ) جب تھوکتے ہیں تو واللہ! وہ تھوک زمین پر نہیں گرتا۔ وہ کسی مسلمان کی ہتھیلی پر گرتا ہے، جس کو وہ فوراً ہی اپنے منہ اور اپنے سر پر لے لیتا ہے اور اس میں بھی چھینا چھٹی شروع ہو جاتی ہے، خدا کی قسم ایسی قربان ہونے والی جماعت سے کامیابی ناممکن ہے۔ بس حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ نہ سہی تو یقیناً مسلمانوں کے برابر کفار مکہ بھی صلح کے آرزو مند تھے۔

(۲) آئندہ کے لحاظ سے اس لیے کہ اس کے فائدے بہت عالیشان تھے۔ مثلاً:
 (الف) قریش کے زرعے کے باعث مسلمانوں کو اب تک موقع نہ ملا تھا کہ تمام
 عرب میں چل پھر کر اسلام کی تبلیغ کر سکیں۔ اور کفار کی طرف سے اسلام کے
 بدنام کرنے اور اس کے متعلق غلط خیالات پھیلانے کی حالت یہ تھی کہ خود مکہ کے
 بہت سے آدمی اب تک اسلام کی حقیقت سے ناواقف تھے۔ اس صلح نے
 مسلمانوں کو کافروں سے ملنے اور ان کے سامنے اسلام کی حقیقت پیش کرنے کا
 دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں مسلمانوں کی تعداد میں
 اس قدر ترقی ہوئی کہ اس سے پہلے عرصہ میں اس قدر ترقی نہ ہوئی تھی۔

اس وقت تک کل مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو ڈھائی ہزار تھی، لیکن اس سے دو
 سال بعد فتح مکہ کے لیے جو فوج گئی، اس میں کمزوروں اور عورتوں بچوں کے
 علاوہ صرف فوج کی تعداد دس ہزار تھی۔

(ب) حضور ﷺ تمام دنیا کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ مگر اب تک کفار مکہ
 کے زرعے کے باعث عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں تبلیغ کا موقع نہ مل سکا تھا۔
 اب صلح وامن کی حالت میں وہ آسان ہو گیا، چنانچہ حضور ﷺ نے دوسرے
 ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے۔

سوال: عمرہ کسے کہتے ہیں اور احرام باندھنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: حج کی طرح عمرہ بھی ایک عبادت کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ پہنچ کر خاص خاص
 عبادتیں ادا کی جاتی ہیں۔ عمرہ اور حج کا فرق ایسا ہی ہے جیسے فرض اور نفل کا۔
 حج ایک خاص وقت میں ادا کیا جاتا ہے، عمرہ کے لیے کسی وقت کی قید نہیں اور جس
 طرح حج سے پہلے خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں اسی طرح عمرہ کے لیے بھی
 خاص خاص کپڑے پہنے جاتے ہیں جس کو احرام باندھنا کہتے ہیں۔

سوال: حُدَیْبِیَہ پہنچ کر حضور ﷺ سے کیا معجزہ ظاہر ہوا؟

جواب: حُدَیْبِیَہ کا کنواں بالکل خشک تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اس میں ایک تیر ڈال دو۔ خدا کے حکم سے اس میں اتنا پانی آ گیا کہ سب کے لیے کافی ہوا اور بچ گیا۔

سوال: بیعت رضوان کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب حضور ﷺ نے مکہ بھیجا تھا تو کفار مکہ نے آپ کو وہاں ٹھہرا لیا تھا۔ دیر ہونے پر فکر ہوئی۔ اور یہ خبر بھی مشہور ہو گئی کہ خدا نخواستہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس وقت حضور ﷺ نے ایک بول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے لڑائی کا معاہدہ کیا، یعنی بیعت لی۔ اسی کا نام ”بیعت رضوان“ ہے۔

سوال: اس معاہدہ یا بیعت میں کیا بات رکھی گئی تھی؟

جواب: یہ کہ ہم میدان سے نہ نہیں گے۔

سوال: اس بیعت پر جو کہ انتہائی بے کسی کی حالت میں ہوئی تھی خدا کی طرف سے کیا انعام نازل ہوا، اور اس کو بیعت رضوان کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: خداوندی خوشنودی کا تمغہ عنایت ہوا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ان کے متعلق ارشاد فرمایا گیا: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (الفتح: ۱۸) ”خداوند عالم خوش ہو گیا مسلمانوں سے جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔“

اسی وجہ سے اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ رضوان کے معنی خوشنودی۔

سوال: اس سال اور کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: دو غزوے ہوئے۔ غزوہ الحیان اور غزوہ غابہ جس کو جنگ ذی قرد بھی کہتے ہیں اور گیارہ دستے روانہ کیے گئے۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا مسلمان ہونا۔

(۲) دنیا کے بادشاہوں کے پاس اسلام کے خطوط کی روانگی۔

سوال: ان دونوں حضرات کے اسلام لانے کو بڑے بڑے واقعات میں کیوں شمار کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے کہ یہ دونوں بہت بڑے بہادر اور بہت بڑے جرنل تھے، جن سے بہت بڑے بڑے کارنامے حالت کفر میں بھی ظاہر ہوئے تھے اور حالت اسلام میں بھی۔

خلاصہ

ذی قعدہ ۶ھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے ارادہ سے چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے، مگر جب مقام خدیجہ پر پہنچے تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ روانہ کیا کہ ارادہ مبارک کی اطلاع کر دیں، مگر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ہونے سے منع کر دیا۔ ہاں! صلح ہو گئی جس کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دیا گیا کہ چند شرطوں کے ساتھ آئندہ سال آ کر بیت اللہ کی زیارت کر لیں، چونکہ اس صلح کے فائدے بہت بڑے بڑے تھے اس وجہ سے خداوندی کلام نے اس کو ”فتح مبین“ کہا ہے۔

(۲)

دنیا کے بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام کے خطوط
سوال: کن کن بادشاہوں کے پاس اسلام لانے کے لیے خطوط بھیجے گئے اور کن کن کے ذریعے، وہ بادشاہ کہاں کہاں کے تھے اور کیا جواب دیئے؟
جواب: مندرجہ ذیل نقشہ سے ان کے جوابات کو حاصل کر لو:

نمبر	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
۱	اصحٰمہ لقب نجاشی	ملک حبشہ	حضرت عمرو بن امیہ صمری <small>رضی اللہ عنہ</small>	نہایت خوشی سے اسلام قبول کیا، نامہ مبارک کو آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر نیچے بیٹھ گیا۔
۲	ہزقل	رومانی اٹلی	حضرت دجیہ کلی <small>رضی اللہ عنہ</small>	اسلام لانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر رعیت کے بکڑ جانے کے خوف سے رک گیا اور جواب دیا کہ میں حج جانتا ہوں، مگر مجبور ہوں۔
۳	خسر پرویز	ایران، افغانستان وغیرہ	حضرت عبداللہ بن خداذہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	بد بخت نے نامہ مبارک کو چاک کر دیا۔ حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> نے فرمایا: خدا اس کے ملک کے اسی طرح ٹکڑے کر دے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
۴	جرتق پسرینا لقب مقوقس	مصر و اسکندریہ	حضرت حاطب بن ابی بلتعہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	دل میں اسلام کی حقانیت پیدا ہوئی۔ چنانچہ نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبہ میں بند کر کے مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا، مگر جواب دیا کہ میں اس پر غور کروں گا۔ اور حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے پاس چند تحفے بھیجے جن میں حضرت ماریہ قبطیہ بھی تھیں، ایک سفید خچر تھا۔ کچھ کا نام ذل ذل تھا اور روایت ہے کہ ایک ہزار دینار اور بیس جوڑے ارسال کیے۔

۱۔ حبشی لفظ ہے جس کے معنی ہیں عطیہ اور بخشیدن (سرور المیزون) ۲۔ ہجری میں وفات پائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عتاب نہ نماز جنازہ پڑھی (سرور المیزون)، مگر محققین کا خیال یہ بھی ہے کہ جس پر نماز پڑھی گئی تھی کچھ اس کا نام اصحٰمہ ہی تھا، مگر اس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفارت نہیں بھیجی، بلکہ آپ جب مدینہ میں تھے تب ہی وہ مسلمان ہو گیا تھا اور یہ دوسرا ہے جو اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اسکے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔ واللہ اعلم!

۳۔ خچر سفید مائل بسیاہی تھا جو آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سواری میں رہا (سرور المیزون)، حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا =

نمبر	بادشاہ کا نام	کہاں کا بادشاہ	خط کون لے کر گیا	جواب اور نتیجہ
۵	جنگر اور عبد اللہ پسران جلدی رضی اللہ عنہ	عثمان	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	مسلمان ہو گئے اور زکوٰۃ جمع کر کے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔
۶	منذر بن سلاوی	بحرین	حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	خود بھی مسلمان ہو گئے اور رعایا کا بھی اکثر حصہ
۷	حارث بن ابی شمر	بادشاہ بقاء، حاکم دمشق و گورنر شام	شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ	سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا، مگر اسلام کے شرف سے محروم رہا۔
۸	ہوڈہ بن علی	یمامہ	سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	سفیر کی عزت کی، مگر جواب دیا کہ اگر آدھی حکومت اسلام پر میری تسلیم کر لی جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا، مگر حضور ﷺ نے قبول نہ فرمایا اور ہوڈہ مسلمان نہ ہوا۔
۹	حارث بن عبد کلال	قبیلہ بنی مرہ	حضرت مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ	جواب دیا: غور کروں گا۔
۱۰		شاہ یمن	حضرت ابوموسیٰ اشعری و حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما	بادشاہ بھی مسلمان ہو گئے اور رعیت بھی۔
۱۱	ذی الکلاع و ذی عمرو	سرداران حمیر	حضرت جریر بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ	مسلمان ہو گئے، مگر حضرت جریر رضی اللہ عنہ ابھی تک وہیں تھے کہ حضور ﷺ کی وفات ہو گئی۔

= کے ساتھ ان کی بہن سیرین اور ایک تیسری قیسری نامی بھی تھیں۔ سیرین کو حضور ﷺ نے حضرت وحیدہ کلبی رضی اللہ عنہا کو عنایت فرمایا۔ ماریہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ شہد اور کالج کا بادیہ اور ایک گھوڑا جس کا نام "لزاز" تھا وہ بھی اس ہدیہ میں شامل تھا۔ زاد المعاد میں ایک ہزار شقال سونا بیان کیا ہے، مگر ایک دینار بھی عموماً ایک شقال کا ہوتا تھا۔ (زاد المعاد: ۱/۹۷) ۱۔ شام کے ایک شہر کا نام ہے۔ (سرور المحردون)

سوال: کیا ان کے علاوہ اور بادشاہوں کے نام بھی خطوط بھیجے گئے؟

جواب: بھیجے گئے۔^۱

سوال: یہاں ان کو کیوں نہیں ذکر کیا گیا؟

جواب: ان کی تفصیل یا تو عام طور سے روایتوں میں ہے نہیں اور اگر ہے تو اختلاف ہے، اس وجہ سے ذکر ضروری نہ سمجھا۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے ان خطوط کے لیے کوئی خاص مہر بھی تیار کی تھی اور کیوں؟

جواب: تیار کی تھی، کیونکہ یہ کہا گیا کہ بادشاہ کسی کے خط کا اس وقت تک اعتبار نہیں کرتے جب تک اس پر مہر نہ ہو۔

سوال: وہ مہر کیا تھی؟



جواب: یہ محمد رسول اللہ تین سطر اوپر کی سطر میں محمد، پھر رسول، پھر اللہ۔

سوال: ان سب سفیروں کو ایک ہی ساتھ روانہ کیا گیا تھا یا کچھ کچھ عرصہ کے بعد؟

جواب: نجاشی، ہرقل، کسریٰ، متوقس، حارث بن ابی شمر غسانی، اور ہنوذہ بن علی کے پاس ایک ہی تاریخ میں روانہ کیے گئے اور باقی کے پاس متفرق تاریخوں میں۔

سوال: وہ تاریخ کیا تھی؟

جواب: یکم محرم الحرام ۷ ہجری۔

سوال: اس سے پہلے یا بعد میں کچھ اور حاکم یا نواب مسلمان ہوئے ہوں تو ان کی تفصیل

بیان کرو؟

جواب: جو حکمران مسلمان ہوئے ان میں سے چند کی تفصیل ذیل کے نقشہ سے معلوم

ہو جائے گی:

۱۔ سنایا گیا ہے کہ جہن میں ایک مسجد ہے، اور وہ حضور ﷺ کے زمانہ کی ہے، اس کو حضور ﷺ کے سفیر نے بنوایا تھا جو جہن تشریف لائے تھے، مگر بادشاہ مسلمان نہیں ہوا۔

نمبر	نام	علاقہ حکومت	کب مسلمان ہوئے	کیفیت
۱	جبلہؓ	غسان	۷۷	عرب کی یہ بہت بڑی اور مشہور حکومت تھی۔
۲	حضرت ثمامہ بن اثالؓ	نجد	۷۶	گرفتار کر کے لائے گئے۔ تین روز مسجد کے کھجے سے بندھے رہے، جب چھوڑ دیئے گئے تو غسل کیا اور کلمہ اسلام پڑھا۔
۳	حضرت فروہ بن عمرو خزاعیؓ	شام کے کچھ علاقہ کے گورنر از جانب قیصر		
۴	حضرت اکیدر بنیؓ	دومۃ الجندل	۷۹	
۵	ذی الکلاع حمیریؓ	یمن اور طائف کے چند ضلع اور قبیلہ حمیر		اپنے آپ کو خدا کہلایا کرتے تھے۔ (معاذ اللہ) اسلام کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں تاج و تخت کو لات مار کر مدینہ منورہ چلے آئے اور فقیرانہ زندگی بسر کی۔ جس روز مسلمان ہوئے ۱۸ ہزار غلام آزاد کیے۔

۷۷

غزوہ خیبر، فتح ذک اور عمرہ قضا

سوال: ۷ ہجری میں سب سے بڑی لڑائی کونسی ہوئی؟

جواب: خیبر اور ذک کی لڑائی۔

سوال: یہ لڑائی کون سے ماہ میں ہوئی؟

جواب: جمادی الاول ۷ ہجری۔

۷۷ جبلہ اسلام لاکر کچھ دنوں کے بعد اسلام کی دولت سے محروم ہو گئے۔

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی؟

جواب: تقریباً سولہ سو یا کچھ کم و بیش۔

سوال: اس لشکر کے سردار کون تھے، جھنڈا کس کے پاس تھا؟

جواب: سردار خود حضور ﷺ تھے۔ جھنڈا جنگ کے روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دیا گیا۔

سوال: مدینہ طیبہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا؟

جواب: حضرت سہاب بن ابی عرقطہ رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: یہ لڑائی کیوں ہوئی؟

جواب: یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بنو نضیر کے یہودی مدینہ سے اُجڑ کر خیبر چلے گئے تھے، اس کے بعد خیبر یہودیوں کا اڈا اور مرکز بن گیا۔ یہاں سے یہ لوگ اسلام کے برخلاف سازش کر کے مسلمانوں کے برخلاف کفار کو ابھارتے تھے۔ چنانچہ احزاب کے موقع پر جو کچھ کیا گیا وہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ لہذا حفاظتِ اسلام کے لیے ضروری ہوا کہ ان کے رٹھان کو توڑ دیا جائے تاکہ ان کے شر سے امن ملے۔

سوال: اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی یا شکست؟

جواب: فتح ہوئی، تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

سوال: خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا گیا یا ان سے کوئی معاہدہ ہوا؟

جواب: ایک معاہدہ ہو گیا۔

سوال: وہ معاہدہ کیا تھا؟

جواب: (۱) جب تک مسلمان چاہیں گے ان کو خیبر میں رہنے دیں گے اور جب نکالنا

چاہیں گے تو خیبر سے یہودیوں کو نکالنا ضروری ہوگا۔

(۲) پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

سوال: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فاتح خیبر کیوں کہتے ہیں؟

جواب: اس لیے کہ جہذا ان کے ہاتھ میں تھا۔ اس جنگ کے کمانڈر وہی تھے۔ اس کے علاوہ خدا نے ان سے ایک خاص بہادری ظاہر کرائی، خیبر کا پھانک تنہا اُکھاڑ پھینکا باوجود یکہ وہ ستر آدمیوں سے بھی نہ اٹھتا تھا۔

سوال: فک پر کب چڑھائی ہوئی؟

جواب: اسی سفر میں خیبر کی فتح کے بعد حضور ﷺ نے فک کی طرف رخ کیا۔

سوال: جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: فک کے یہودیوں نے صلح کر لی، لہذا جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: اس سال کتنے دتے بھیجے گئے اور کتنے غزوے ہوئے؟

جواب: غزوہ اس کے علاوہ کوئی نہیں، البتہ پانچ دتے متفرق موقعوں پر بھیجے گئے۔

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (۱) گزشتہ سال صلح حدیبیہ کے موقع پر جو طے ہوا تھا کہ اگلے سال عمرہ کریں گے۔

معاہدہ کی شرطوں کی پوری پابندی کے ساتھ اس سال وہ عمرہ ادا کیا گیا۔

(۲) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اسی سفر میں حضور ﷺ کے نکاح میں داخل ہوئیں۔

خلاصہ

چوں کہ توفیر کے یہودیوں نے مدینہ سے جا کر خیبر کو اپنی سازشوں کی پناہ گاہ بنالیا تھا، اس پر چڑھائی کی گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں جہذا تھا اور خدا نے فتح کا سہرا انھیں کے سر باندھا، خیبر کے بعد فک کی

طرف حضور ﷺ متوجہ ہوئے، وہاں کے لوگوں نے صلح کر لی۔ گزشتہ سال والے عمرہ کی معاہدہ کے بموجب

قضا کی گئی اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔

۸ھ

ایک نئے دشمن سے جنگ، اسلام کا آفتاب نصف اقبہ پر،
موتی کی جنگ اور فتح مکہ

سوال: ۸ ہجری کے بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟
جواب: موتی کی طرف فوج کا جانا اور لڑائی اور مکہ مکرمہ کی فتح۔

سوال: موتی کہاں ہے؟
جواب: شام کے علاقہ میں دمشق و بقاء کے قرب وجوار میں۔

سوال: یہ لڑائی کب ہوئی؟
جواب: جمادی الاول ۸ھ ہجری میں۔

سوال: یہ لڑائی کن لوگوں سے ہوئی؟
جواب: رومیوں سے جو بصری کے گورنر کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

سوال: کیا اس سے پہلے بھی کوئی لڑائی رومیوں سے ہوئی تھی اور رومیوں کا مذہب
لیا تھا؟

جواب: رومی عیسائی تھے اور تلوار کے ذریعہ سے اسلام اور عیسائیت کی یہ پہلی جنگ تھی جو
دجال کے زمانہ تک باقی رہے گی۔

سوال: یہ جنگ کیوں ہوئی؟

جواب: بصری کے حاکم ”مشرخ بنیل“ نامی نے حضور ﷺ کے قاصد حضرت حارث بن
عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا، جب کہ وہ اسلام کا پیغام لے کر اس کے پاس پہنچے
تھے، اس کی سزا کے طور پر حضور ﷺ نے یہ فوج روانہ کی۔

سوال: جب کہ خود حضور ﷺ تشریف نہیں لے گئے تھے تو اس کو غزوہ کیوں کہا جاتا ہے؟
جواب: اس لیے کہ اس لشکر کو حضور ﷺ نے نہایت عظیم الشان خاص خاص وصیتیں کی تھیں۔

سوال: وہ وصیتیں کیا تھیں؟

جواب: (۱) تمہیں گرجاؤں اور کنیوں میں کچھ لوگ ملیں گے جو دنیا چھوڑ چکے ہیں، ان کی طرف کوئی تعرض نہ ہو۔ (۲) عورت، بچہ، بوڑھا، ہرگز نہ قتل کیا جائے۔
(۳) درخت نہ کاٹے جائیں۔

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کیا تھی اور شرعیل گورنر بصری نے کتنی فوج تیار کی؟

جواب: اسلامی فوج کی تعداد کل تین ہزار تھی اور شرعیل نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ فوج فراہم کی تھی۔

سوال: اسلامی فوج کے سردار کون تھے؟

جواب: اول اس کا سردار حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا تھا، مگر حضور ﷺ نے یہ وصیت بھی فرمادی تھی کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پر ابو طالب جھنڈا لیں گے اور ان کے بعد بھی اگر ضرورت ہو تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیں گے۔

سوال: اس جنگ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: اس مٹھی بھر جماعت کا خدا نے وہ رعب بٹھایا کہ ڈیڑھ لاکھ کا ٹڈی دل لشکر پیچھے ہٹے بغیر نہ رہ سکا اور حق تو یہ ہے کہ ڈیڑھ لاکھ کے جبروں میں سے تین ہزار کی مٹھی بھر جماعت کا بیج کر نکل آتا ہی بڑی بہادری اور اعلیٰ کامیابی ہے، البتہ یہ

۱۔ دروس تاریخ الاسلامی ۲۔ دروس تاریخ الاسلامی، عموماً ڈیڑھ لاکھ۔ زاد المعاد میں ایک لاکھ (زاد المعاد: ۳/۲۷۸)

۳۔ یعنی حضور ﷺ کے چچا زاد اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی بھائی۔

ضرور ہوا کہ نامزد سردار تینوں ایک دوسرے کے بعد جھنڈے کی حفاظت میں شہید ہو گئے۔

سوال: ان تینوں کی شہادت کے بعد جھنڈا کس نے سنبھالا؟

جواب: خدا کی ایک تلوار جن کا نام خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھا خود آگے بڑھے، جھنڈا سنبھالا اور میدان جیت لیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

فتح مکہ

خدا کے گھر پر آسمانی بادشاہت کا جھنڈا
نکالے ہوؤں کی کامیاب واپسی

سوال: مکہ کب فتح ہوا؟

جواب: رمضان المبارک ۸ ہجری۔

سوال: اسلامی لشکر کی تعداد کس قدر تھی؟

جواب: دس ہزار۔

سوال: اس کے سردار کون تھے؟

جواب: سرورِ دو جہاں ﷺ۔

سوال: مدینہ کا خلیفہ کس کو بنایا گیا؟

جواب: حضرت ابوہریرہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ یا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو۔

سوال: کفار مکہ کی حرکتیں اگرچہ اس قابل ضرور تھیں کہ جب موقع ملتا ان پر حملہ کیا جاتا،

۱۔ صرف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی لڑائی ہی جس قدر رعب بٹھادے تھوڑا ہے، خدا کی پناہ! وہنا ہاتھ کٹ گیا تو جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا اور جب وہ بھی کٹ گیا تو بغل میں تھا، بے شمار زخم بدن پر لگے، مگر لطف یہ ہے کہ سب سامنے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے سینے اور سامنے کے حصہ پر نوے زخم ہم نے گنے ہیں۔

مگر دس سال کی صلح کے معاہدہ کے بعد تیسرے ہی سال ان پر حملہ کیوں کیا؟

جواب: قریش نے خود اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا۔

سوال: اس کی کیا شکل ہوئی؟

جواب: یاد ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو بکر قریش کے ساتھ تھے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور یہ دونوں قبیلے بھی اس صلح میں داخل ہو گئے تھے، مگر ابھی پورے دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا، ان کی عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ قریش نے بنو بکر کی مال اور ہتھیاروں سے امداد کی اور اس قتل و خون میں بھی حصہ لیا، ان کے چند سرداروں نے نقاب اوڑھ اوڑھ کر حملہ کیا۔

افسوس یہ کہ خدا کا واسطہ دے کر پناہ مانگی گئی تو بنو بکر اور ان کے پشت پناہ قریشی سرداروں نے (معاذ اللہ) جواب دیا: ”آج خدا کوئی چیز نہیں۔“ بنو خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی، ان کو وہاں بھی تہ تیغ کیا گیا۔

بنو خزاعہ کے مظلوموں میں سے چالیس آدمی جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، دادرسی کے لیے حضور ﷺ کی دوبائی دیتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ عمرو بن سالم خزاعی نے پروردگار کے ذریعہ سے امداد کی اپیل کی۔

رحمت عالم ﷺ کا قلب مبارک بے تاب ہو گیا۔ حمیت میں جوش پیدا ہوا اور تیاری کا حکم صادر ہو گیا۔

سوال: اس جنگ کے لیے مدینہ منورہ سے کب روانگی ہوئی؟

جواب: ۱۰ رمضان المبارک بروز چہار شنبہ (بدھ) عصر کے بعد۔

سوال: اس سفر کی آئندہ تفصیلات بیان کرو۔

جواب: یہ فوج فتح موج مدینہ طیبہ سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ کے قریب جب اس مقام پر پہنچی

جس کو مژۃ الظہران کہا جاتا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر آج مکہ والوں نے امن نہ حاصل کر لیا تو ان کا خاتمہ ہے، میں فوراً ایک خچری پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گیا کہ شاید کوئی مل جائے تو کہلا بھیجوں کہ پناہ کے بغیر کوئی صورت نہیں۔ میں قریب کی پہاڑی کے پاس پہنچا تو دو شخص نظر آ گئے، بڑھا تو سنا:

ایک: یہ لشکر کس کا ہے جس کے الاؤ اور چراغوں کی روشنی سے جنگل جگمگا رہا ہے؟
دوسرا: شاید بنو خزاعہ کا ہو۔

پہلا: توبہ! ان کے پاس اتنا بڑا لشکر کہاں؟

اتنی دیر میں میں اور آگے بڑھ گیا تھا، میں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا کہ ایک ابوسفیان ہیں اور دوسرے حکیم بن حزام، دونوں حیرت سے بولے: آپ یہاں کیسے؟ میں نے واقعہ کا اظہار کیا۔ دونوں نے گھبرا کر کہا: اب پناہ کی کیا صورت؟ میں نے بتایا صرف یہ کہ میرے ساتھ چلو اور پناہ مانگ لو۔

ابوسفیان فوراً میرے خچر پر بیٹھ گئے۔ ہم دونوں دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”بولو، ابوسفیان! کیا اب بھی خدا کو ایک نہ مانو گے؟“
ابوسفیان: ”بیشک وہ ایک ہے، ورنہ دوسرا خدا میری آج امداد تو کرتا،“ اس کے بعد ابوسفیان اسلام لے آئے۔

سوال: رسول اللہ ﷺ مکہ میں کس شان سے داخل ہوئے؟

جواب: حضور ﷺ نے فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے شہر میں داخل ہوں اور

۱۔ زاد المعاد میں تین کا ذکر ہے۔ تیسرے بدیل پر ورقا۔ (زاد المعاد: ۳/۲۹۱) ۲۔ اول تو فوج میں روشنی کی ضرورت

ہوتی ہی ہے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کا حکم بھی تھا کہ روشنی کی جائے۔ ممکن ہے اثر ڈالنا مقصود ہو۔ واللہ اعلم!

۳۔ تھوڑی سی جماعت سے بڑی جماعت پر رعب ڈالنے کی یہ بہترین صورت ہے۔ دو تین لاکھ آبادی کے شہر میں اگر دس دس بیس بیس کے دستے مختلف راستوں سے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوں تو ظاہر ہے کہ تمام شہر میں =

ایک دستہ کا افسر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنا کر حکم فرمایا کہ مکہ معظمہ کے اوپر کی طرف سے داخل ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس مکہ کے نیچے کی طرف سے داخل ہوئے۔

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کس شان سے داخل ہوئے؟

جواب: آج فاتح مکہ سرکارِ دو عالم کی شان یہ ہے کہ ایک اونٹنی سواری میں ہے۔ کالامامہ سر مبارک پر، سورہ فتح زبان مقدس پر، اور تواضع اور عاجزی تمام بدن پر، یہاں تک کہ سر مبارک جھکتے جھکتے عمامہ کی کور ہو دہ کے قریب آ پہنچی۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹنی پر دوسرا شخص کون سوار تھا؟

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید موتہ کے فرزند ارجمند حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ۔

سوال: فاتحانہ داخلہ کے وقت قتل عام وغیرہ کے احکام صادر کیے جاتے ہیں۔ اس وقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا احکام صادر فرمائے؟

جواب: رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دنیا کے تمام فاتحین سے نرالی ہے۔ وہی شہر اور وہی لوگ جنہوں نے ہجرت کے وقت اُس شخص کے لیے بڑے بڑے انعام مقرر کیے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ لائے یا آپ کا سر لائے۔

رحمت عالم جب اس شہر میں اُن ہی لوگوں پر غلبہ پا کر داخل ہوتے ہیں تو مشفق دو جہاں کے سرکار کی طرف سے منادی ہوتی ہے:

(۱) جو شخص ہتھیار پھینک دے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۲) جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے اُسے قتل نہ کیا جائے۔ (۳) جو اپنے گھر میں بیٹھ جائے اُسے قتل نہ

= سنسنی پھیل جائے گی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی پوری حکمت رسول جانیں یا خدا۔ و ما اوتینا من

العلم الا قليلا۔ واللہ اعلم بالصواب! لے مراد ”ہودج“ بمعنی اونٹ کا کجاہ ہے۔

کیا جائے۔ (۳) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ (۵) قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔
 (۶) بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ اور ہاں! وہی ابوسفیان جو کل تک نہ صرف
 اسلام اور مسلمانوں کا خونی دشمن تھا، بلکہ دشمن گر تھا اور اُحد جیسے تمام قیامت نما
 ہنگاموں کا ذمہ دار تھا، آج اس پر غلبہ پالینے کے بعد اعلان ہوتا ہے: (۷) جو
 ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۸) اور اسی طرح جو حکیم
 بن حزام کے گھر میں گھس جائے اس قتل نہ کیا جائے۔

سوال: مکہ میں داخل ہونے کے وقت لڑائی ہوئی یا نہیں اور کتنی جانیں ضائع ہوئیں؟
 جواب: مذکورہ بالا اعلان کے بعد ظاہر ہے لڑائی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، مگر اس پر بھی
 کچھ سر پھرے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر آ ہی گئے، مجبوراً جواب
 دینا پڑا جس میں ۲۷ یا ۲۸ کافر ہلاک ہوئے اور ۲ مسلمان شہید ہوئے اور کوئی
 جنگ نہیں ہوئی۔

سوال: مکہ کے داخلہ کے وقت جن ۶ عورتوں اور گیارہ مردوں کو امن سے محروم رکھا گیا،
 اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: ان میں سے کچھ مرتد تھے۔ کچھ قاتل اور کچھ ایسے تھے جن کی چالاکیاں بہت
 کچھ نقصان پہنچا چکی تھیں اور آئندہ سخت خطرہ تھا۔

سوال: کیا وہ سب قتل کر دیے گئے؟
 جواب: تقریباً سب بھاگ گئے اور پھر ایک ایک کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مسلمان
 ہوتے رہے۔ صرف دو چار کے متعلق قتل کی روایت ہے۔

سوال: اس وقت خانہ خدا یعنی کعبہ مکرمہ کی کیا حالت تھی؟
 جواب: ۳۶۰ بت اس کے اندر رکھے تھے۔ ایک بڑا بت جس کا نام ”ہبل“ تھا۔ کعبہ کی

چھت پر کھڑا تھا۔

سوال: حضور ﷺ نے کیا کیا؟

جواب: کمان یا چھڑی کی نوک سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل گر رہے تھے اور یہ آیتیں زبان مبارک پر تھیں:

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا. (بنی اسرائیل: ۸۱)

”حق آیا، باطل کا فور ہو گیا۔ یقیناً باطل مٹنے کے لیے ہے۔“

جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ. (سبا: ۴۹)

”حق آ گیا، باطل نہ پیدا ہو گا، نہ لوٹے گا۔“

سوال: خانہ کعبہ کے علاوہ آس پاس جو اور بڑے بڑے بت تھے ان کا کیا کیا گیا؟

جواب: کچھ دتے روانہ فرما دیے گئے، انہوں نے ان کو توڑا۔

سوال: اللہ کے گھر کو بتوں کی ناپاکی سے پاک کر کے اللہ کے رسول نے اس کا طواف کب کیا؟

جواب: ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو۔

سوال: فتح مکہ کے دن مکہ والوں کی کیا حالت تھی اور حضور ﷺ نے کیا سلوک کیا؟

جواب: حرم میں مکہ کے بڑے بڑے لوگ اور عام آدمی موجود تھے، خوف و ہراس ان پر چھایا ہوا تھا، ہر ایک کو اپنے دن یاد آرہے تھے۔ کیونکہ کسی نے حضرت رسالت پناہ پر امنٹیں پھینکی تھیں اور کسی نے حضور ﷺ پر بارہا دھول ڈالی تھی۔ اور کسی نے صاحبزادی کے نیزہ مارا تھا جس کے اثر سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ کوئی

لے چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ”غزنی“ بت کو توڑا، جو قریش کا بہت بڑا بت تھا اور غلہ مقام پر کھڑا تھا اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ”سواع“ بت کو توڑا جس کو ہذیل قبیلہ والے پوجتے تھے اور مکہ سے تقریباً تین میل [۳.۸۲۷ کلو میٹر] کے فاصلہ پر تھا اور حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے ”منات“ بت کو توڑا جو مشلل پہاڑ پر نصب تھا اور کلب اور خزاعہ والے اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا تو کوئی اُن کا کلیجہ چبانے والی، کوئی حضور ﷺ کی ہجو میں قصیدے کہنے والا اور تقریریں کرنے والا تھا تو کوئی گاگا کر آگ بھڑکانے والی۔ غرض ہر ایک کو اس کا جرم آج قتل کے خوف سے لرزا رہا تھا۔ مگر حضور ﷺ جب بتوں کے معاملہ سے فارغ ہو کر خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو ان کا پنے والوں کو دیکھا اور جیسا نہ شان سے لبوں کے تہسم کے ساتھ ارشاد ہوا:

”جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ آج کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ سب قصے ختم۔ اسی درمیان میں ایک شخص آیا جو خوف سے کانپ رہا تھا۔ ارشاد ہوا: گھبراؤ مت، میں بادشاہوں کی طرح نہیں، میں قریش کی ایک عورت کا لڑکا ہوں جو عام عورتوں کی طرح کھاتی پیتی تھی۔“

سوال: کعبہ کی کنجی کس کے پاس تھی اور اب حضور ﷺ نے کس کو دی؟

جواب: عثمان بن طلحہ شیبی کے پاس تھی۔ حضور ﷺ نے چند نصیحتیں فرما کر ان ہی کو واپس عطا فرمادی۔

۱۔ اس موقع پر ایک تقریر فرمائی، خدا کی حمد و ثناء اور خون بہا کے متعلق کچھ احکام بیان کرنے کے بعد فرمایا: جماعت قریش! خدا نے اس تکبر کو تم سے دور کر دیا جو پہلے تھا۔ دیکھو! ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ پھر قرآن پاک کی آیت تلاوت فرمائی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ”اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے مقرر کر دیے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے پہچاننے میں آسانی ہو۔ یاد رکھو کہ بارگاہ خداوندی میں وہی مکرم اور معظم ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔ (زاد المعاد: ۳/۲۹۵)

۲۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ خانہ کعبہ کی کنجی ہمارے پاس رہا کرتی تھی، ہم صرف دو شنبہ اور جمعرات کو کھولا کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کھولنے کی فرمائش کی تو عثمان نے سختی سے انکار کر دیا۔ حضور ﷺ کو یہ ناگوار ہوا تو فرمایا: ”عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ کنجیوں کا مالک میں ہوں گا، جس کو چاہوں گا دوں گا۔“ مگر اخلاقی عالیہ کی انتہا یہ ہے کہ آج قبضہ پالینے کے بعد اسی عثمان کو کنجی مرحمت فرمادی جاتی ہے۔

سوال: کیا مکہ کے سب کافر اسی وقت مسلمان ہو گئے تھے؟

جواب: نہیں، بہت سے ایسے تھے جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے۔ ہاں رفتہ رفتہ سب مسلمان ہو گئے۔

سوال: جو لوگ مسلمان ہوئے ان میں سے خاص خاص آدمیوں کے نام بتاؤ۔

جواب: حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ۔ ان کے صاحبزادے حضرت معاویہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ، اور ابوسفیان بن حارث، یعنی حضور ﷺ کے بڑے چچا کے بیٹے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

خلاصہ

صلح حدیبیہ کی عمر اگرچہ دس سال رکھی گئی تھی، مگر دوسرے ہی سال بنو خزاعہ پر بنو مکہ نے حملہ کر دیا اور قریش نے بنو مکہ کی امداد کر کے اس تمام معاہدہ کی وجہیں اڑا دیں۔ بنو خزاعہ نے حضور ﷺ کے دربار میں شکایت پیش کی اور امداد کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے اس درندگی کا بدلہ لینے کے لیے تیاری کا حکم فرمایا۔ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ کے قریب "مرا الظہران" تک پہنچ گئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قریش پر رحم کھا کر ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ وہ باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔ ابوسفیان اور پورے مکہ والوں کے لیے لڑائی کا موقع نہ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔

حضور ﷺ مکہ میں انتہائی خشوع اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے مکہ کے نیچے کی جانب سے داخل ہوئے۔ فوج کو حکم فرمایا کہ مختلف راستوں سے داخل ہو۔ چونکہ چند آدمیوں کے علاوہ عام معافی کا اعلان کر دیا گیا تھا، اس لیے لڑائی ہوئی نہ قتل و خون۔ صرف حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے راستہ میں کچھ مقابلہ ہوا جس میں سے ۲۸ یا ۲۹ کافر مرے اور صرف دو مسلمان شہید ہوئے۔ حضور ﷺ کعبہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بتوں کو گرادیے۔ ۲۰ تاریخ کو حضور ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور ۱۵ روز مکہ میں قیام فرمایا۔

(۲)

جنگِ خنین

سوال: خنین کیا ہے؟

جواب: ایک مقام کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر طائف کے قریب ہے۔

سوال: یہ جنگ کب ہوئی؟

جواب: فتح مکہ کے بعد ماہ شوال ۸ ہجری کو۔

سوال: اس جنگ میں کن لوگوں سے مقابلہ ہوا؟

جواب: ہوازن اور بنی ثقیف سے۔

سوال: اس لڑائی کا سبب کیا تھا؟

جواب: چونکہ یہ دونوں قبیلے بہت بڑے اور بہت زیادہ مشہور تھے، مکہ کی فتح پر ان کو غیرت پیدا ہوئی اور اسلامی لشکر پر چڑھائی کر دی۔

سوال: اس مقابلہ کے لیے حضور ﷺ نے جو اسلامی لشکر تیار کیا اس کی مقدار کیا تھی اور کس تفصیل سے؟

جواب: کل مقدار ۱۲۰۸۰ (بارہ ہزار اسی) تھی جس میں دو ہزار مکہ کے نو مسلم تھے اور

۱۔ اس کو جنگ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اوطاس بھی ایک مقام کا نام ہے مکہ اور طائف کے بیچ میں، اور چوں کہ ہوازن قبیلہ کے آدمی لڑنے کے لیے آئے تھے اس لیے جنگ ہوازن بھی کہہ دیتے ہیں۔

۲۔ مکہ مکرمہ پر چڑھائی اور اس کا فتح ہونا تمام عرب کے لیے بہت بڑی غیرت کی بات تھی اور یقیناً تمام عرب مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا، مگر حقیقت یہ ہے کہ عرب کے بہت سے قبیلے اسلام کی حقانیت کو پوری طرح پہچان گئے تھے۔ مگر کچھ قریش کا خوف کچھ ان کی پرانی عظمت کا خیال ان کو اسلام کی جرأت نہ دیتا تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ اگر اس آواز میں سچائی ہے تو یقیناً قریش پر غلبہ ہوگا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جوق در جوق قبائل کا اسلام میں داخلہ شروع ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں سے لاکھوں تک نوبت پہنچ گئی۔ (ماخوذ از صحاح) ۳۔ دروس التاریخ الاسلامی

۸۰ کافر اور باقی مدینہ والی فوج۔

سوال: یہ خدا کی فوج مکہ سے کب روانہ ہوئی؟
جواب: ۶ ر شوال کو۔

سوال: مکہ کا خلیفہ کس کو بنایا؟
جواب: حضرت عتاب رضی اللہ عنہ پسر اُسید کو۔

سوال: ان کی عمر اس وقت کیا تھی؟
جواب: کل اٹھارہ سال۔

سوال: جنگ کی تفصیلات بیان کرو۔

جواب: اس لشکر کی خبر پاتے ہی زیادہ تر دشمن پہاڑوں میں چھپ گئے۔ اسلامی لشکر جب حنین کے میدان میں پہنچا تو پہاڑوں سے نکل کر اس پر ٹوٹ پڑے اور تیر برس آنے شروع کر دیے، اس اچانک حملہ کے باعث اول اول اسلامی فوج میں کچھ پسپائی ہوئی، مگر آقائے دو جہاں تلوار کھینچ کر میدان میں اتر آئے اور ترانہ پڑھنا اور تلوار گھمانی شروع کر دی اور حضور ﷺ کے حکم کے بموجب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دستوں کے سرداروں کو دلیرانہ آواز دی۔ فوراً فوج کو توجہ ہوئی اور میدان کی طرف اس طرح جھپٹی جیسے شیرنی بچہ کی طرف، آن کے آن میں میدان کا رنگ پلٹا ہوا تھا۔

سوال: نتیجہ کیا ہوا؟

جواب: مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ سارا مال ہاتھ آیا اور چھ ہزار سے زائد آدمی قید ہوئے۔

سوال: مال کس قدر تھا اور اس کو کیا کیا؟

جواب: چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی جو

تقریباً چالیس ہزار روپیہ کے برابر ہوگی، اس کو مسلمانوں پر تقسیم کیا گیا۔ مگر مکہ کے نو مسلموں کو زیادہ دیا گیا۔

سوال: جنگِ حنین میں کفار نے کس طرح تیاری تھی؟

جواب: اپنے تمام جانور، مال، عورتیں، بچے سب ساتھ لائے تھے تاکہ اگر شکست ہو تو بال بچوں اور مال کی وجہ سے بھاگیں نہیں، لڑ لڑ کر وہیں جان دے دیں۔

سوال: اس لڑائی میں مسلمانوں کی پسپائی کا سبب کچھ اور بھی ہے؟

جواب: حقیقت میں ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ کچھ مسلمانوں کو اپنی زیادتی کا گھمنڈ بھی ہو گیا تھا۔

سوال: اس جیسی تنبیہ سے کیا معلوم ہوا؟

جواب: یہ کہ مسلمانوں کو اپنی کمی یا زیادتی پر ہرگز خیال نہ کرنا چاہیے، ان کا بھروسہ صرف خدا پر رہنا چاہیے۔

سوال: کیا ظاہری سامان کا کچھ بھی خیال نہ لیا جائے؟

جواب: تدبیر کے مرتبہ میں ظاہری سامان بھی ضروری ہے۔ خداوندی ارشاد ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ. (الانفال: ۶۰)

”طاقت اور عمدہ عمدہ گھوڑے جس قدر بھی کر سکو دشمنانِ اسلام کے مقابلہ کے لیے تیار کر لو، تاکہ خدا کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو، مگر اس پر گھمنڈ ہرگز نہ ہو۔ زیادتی پر زعم نہ ہو، مکی سے بزدلی نہ ہو، ہر حال میں اللہ پر بھروسہ رہے۔“

سوال: اس موقع پر کوئی خاص جیسی امداد ہونی چاہی؟ اس کو بیان کرو۔

جواب: جب حضور ﷺ مقابلہ کر رہے تھے اس وقت حضور ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی جس کو خدا کی قدرت نے ہر ایک مقابل کی آنکھ میں

پہنچا دیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، پھر ساری فوج کے پیرا کھڑ گئے۔

سوال: اس موقع پر اس غیبی امداد کی کیا حکمت ہے؟

جواب: پورا پورا علم تو خدا کو ہے، لیکن بظاہر مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ ان کی کثرت کا رآمد نہیں۔ خدا کی امداد ان کی کار ساز ہے۔

سوال: اس جنگ میں کتنے مسلمان شہید ہوئے اور کتنے کافر مارے گئے؟

جواب: مسلمان کل چار یا چھ شہید ہوئے اور اکہتر (۱۷) کافر قتل ہوئے۔

خلاصہ

مکہ کی فتح عام عرب کے لیے بڑی غیرت کی بات تھی، مگر چونکہ اسلام کی حقانیت اور سچائی کا سب کو اندازہ ہو چکا تھا، اس لیے اس فتح سے کوئی غیرت نہیں پیدا ہوئی۔ البتہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جو خود کو بہت بڑا اور بہت بہادر سمجھتے تھے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے اور بیوی بچوں اور تمام جانوروں سمیت پوری طاقت کے ساتھ اسلامی لشکر پر چڑھائی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس کی خبر پا کر ۶ شوال کو حضور ﷺ مکہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عتاب بنی النضرؓ پسر اسید کو مکہ کا خلیفہ بنایا، دشمن حنین کے اُس طرف پہاڑوں میں چھپ گئے اور جب اسلامی لشکر سچ میں پہنچا تو ایک دم اس پر ٹوٹ پڑے جس سے اول اول مسلمانوں کے کچھ پیرا کھڑے، مگر حضور ﷺ اور بڑے بڑے صحابی جے رہے۔ حضور ﷺ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے، ٹخمرے اتر آئے اور تلوار سھمائی شروع کر دی۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس بنی النضرؓ نے آواز دی، سارے مسلمان اکٹھے ہو گئے، تھوڑی دیر ہی میں میدان کا رنگ پلٹ گیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ صرف چار یا چھ آدمی شہید ہوئے، کافر اے کام آئے اور بہت کچھ سامان ہاتھ لگا۔

طائف کا محاصرہ اسلام میں پہلی مرتبہ منجنيق کا استعمال

سوال: اس کے بعد حضور ﷺ طائف کیوں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر کیا کیا؟
جواب: چونکہ طائف ہوازن اور بنی ثقیف کی رٹھان اور پناہ گاہ تھا اور وہ لوگ حنین سے بھاگ کر طائف میں قلعہ بند ہو گئے تھے۔ اس لیے حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً اٹھارہ روز اس کا محاصرہ کیا، طائف والوں نے مسلمانوں پر بے انتہا تیر برسائے، چنانچہ بہت سے مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ شہید بھی ہو گئے تو اس کے جواب میں اسلامی فوج نے منجنيق کا استعمال بھی کیا جو اس زمانہ کی گویا توپ تھی۔ جس سے پتھر پھینکے جاتے تھے، یہ اسلام میں منجنيق کا استعمال پہلی مرتبہ تھا۔

سوال: منجنيق کی رائے کس نے دی تھی؟

جواب: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: اس محاصرہ کا کیا نتیجہ ہوا؟

جواب: ہوازن اور بنو ثقیف کے غرور کا تو پورا پورا بدلہ مل گیا، مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی۔

سوال: اہل طائف کب مسلمان ہوئے اور کس طرح؟

جواب: جب حضور ﷺ واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تب طائف والوں کا ایک وفد حاضر ہوا اور خود درخواست کر کے اسلام سے مشرف ہوا۔

سوال: اس وفد کو حضور ﷺ نے کہاں ٹھہرایا؟

جواب: مسجد میں۔

سوال: حنین کے قیدیوں کا کیا کیا گیا؟

جواب: جب حضور ﷺ طائف سے واپس ہو رہے تھے تو بجرانہ مقام پر ان کا ایک وفد حاضر ہوا اور قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے چوں کہ قیدیوں کو بھی تقسیم کر دیا تھا اس وجہ سے مسلمانوں کے سامنے ان کی درخواست پیش کی جس کو فوراً قبول کر لیا گیا اور تمام قیدی واپس کر دیے گئے۔

سوال: کیا اس سفر میں حضور ﷺ نے کوئی اور عمرہ بھی کیا اور کہاں سے اور کس وقت؟

جواب: بجرانہ مقام پر جب حضور ﷺ قیام فرماتے تھے تو وہیں سے عمرہ کا احرام باندھا اور رات کو مکہ معظمہ جا کر عمرہ ادا فرمایا اور صبح سے پہلے واپس ہو گئے۔

سوال: اس سفر سے واپس ہو کر حضور ﷺ مدینہ طیبہ کب پہنچے؟

جواب: ۶ رذی قعدہ ۸ ہجری کو۔

سوال: ۸ ہجری میں غزوے کتنے ہوئے اور سرے کتنے بھیجے گئے؟

جواب: مذکورہ بالا ۴ جنگوں کے علاوہ دس دسے روانہ ہوئے غزوہ کوئی اور نہیں ہوا۔

خلاصہ

ہوازن اور ثقیف کے لوگ حنین سے بھاگ کر طائف کے قلعوں میں آچھے۔ حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، تقریباً اٹھارہ روز محاصرہ رہا۔ مسلمانوں پر ان لوگوں نے بے انتہا تیر برسائے، چنانچہ بارہ مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے جس کے جواب میں مخنقیق کا استعمال کیا گیا۔ اٹھارہ روز کے بعد محاصرہ اٹھالیا گیا۔ ان کے غرود کا پورا پورا جواب مل گیا، مگر باقاعدہ فتح نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا جس کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا، تاکہ قرآن شریف اور حضور ﷺ کی تقریریں سنیں اور اثر ہو۔ چنانچہ وہ چند دن میں مسلمان ہو کر واپس ہوئے۔

طائف سے جب واپس ہو کر حضور ﷺ بجرانہ مقام پر پہنچے تو ان لوگوں کا ایک وفد آیا اور حنین کے قیدیوں کی

لے اس کی مقدار حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے چند نقلاتی ہے۔ سردارزبیر بن مردتھے اور ان ہی لوگوں میں حضور ﷺ کے

رضاعی بچا بھی تھے جن کا نام ابو براق تھا۔ (زاد المعاد ۳/۳۴۲)

ربہائی کی درخواست کی۔ حضور ﷺ نے منظور فرما کر سب کو مفت رہا کر دیا جن کی تعداد چھ ہزار تھی۔ ہر اندہ مقام سے ایک عمرہ بھی رات کے وقت حضور ﷺ نے کیا۔ ۶ رزی قعدہ کو حضور ﷺ مدینہ طیبہ واپس پہنچے۔

۹

غزوہ تبوک، وفود کی آمد، اللہ کے دین میں فوج و رفوج داخلہ

سوال: حضور ﷺ کا آخری غزوہ کونسا ہے؟

جواب: غزوہ تبوک۔

سوال: مقام تبوک مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے اور کس طرف ہے؟

جواب: تقریباً ۱۴۰ منزل ہے شام کے علاقہ میں۔

سوال: یہ غزوہ کن لوگوں سے ہوا؟

جواب: رومیوں سے جن میں اکثر عیسائی تھے۔

سوال: اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: حضور ﷺ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ ہرقل شاہ اٹلی اور موتہ کے ہارے ہوئے عیسائی

مدینہ پر چڑھائی کے ارادہ سے تیاریاں کر رہے ہیں۔

سوال: اس وقت عام مسلمانوں کی اور موسم کی کیا حالت تھی؟

جواب: سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، قحط ہو رہا تھا، مسلمان بہت زیادہ تنگ دست تھے۔

سوال: اس جنگ کا سامان کس طرح تیار کیا گیا؟

جواب: چندہ سے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیت سے بڑھ کر دیا۔ چنانچہ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکان کا سارا سامان لا کر رکھ دیا، جس کی قیمت

چار ہزار درہم یعنی تقریباً ایک ہزار روپیہ تھی۔

۱۔ چار ہزار درہم کا وزن ۱۳ کلو ۴۰۰ گرام چاندی بنتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مکان کا آدھا سامان پیش کر دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار، تین سواونٹ اور بہت کچھ سامان پیش کیا۔ اسی طرح دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی حیثیتوں سے بڑھ کر چندے پیش کیے۔ عورتوں نے اپنے زیور اتار اتار کر پیش کیے۔

سوال: اسلامی فوج کی تعداد کتنی تھی اور سامان جنگ کیا تھا؟

جواب: تیس ہزار سپاہی تھے اور دس ہزار گھوڑے۔

سوال: لشکر کے سردار کون تھے اور مدینہ کا خلیفہ کون ہوا؟

جواب: لشکر کے سردار خود حضور ﷺ تھے اور مدینہ کا خلیفہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خانگی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا۔

سوال: مدینہ طیبہ سے کس تاریخ کو روانگی ہوئی؟

جواب: ۵/رجب، روز پنج شنبہ (جمعرات) ۹ھ کو، مطابق ۱۸ اکتوبر ۶۳۰ء۔

سوال: جنگ ہوئی یا نہیں اور نتیجہ کیا رہا؟

جواب: جنگ نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہاں کوئی نہ تھا۔ ہر قل بادشاہ حمص چلا گیا تھا۔ اس سفر سے رومیوں پر بے حد رعب ہو گیا، چنانچہ یوحنا پسر رومیہ والی ایلہ حاضر خدمت ہوا۔ اس کے ساتھ جربا، اذرج، سیناء وغیرہ کے والی بھی تھے۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ سے صلح کر لی۔ خراج ادا کرنے کا عہد کیا، حضور ﷺ نے ان لوگوں کو امان دے دی۔

سوال: یہ شہر کس ملک میں ہیں؟

جواب: ملک شام میں۔

سوال: اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو کہاں بھیجا تھا اور جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ کیا تھی اور کیسی رہی؟

جواب: حضرت خالد کو ”اکیدز“ نصرانی کی طرف بھیجا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ تم رات کے وقت اس سے مل سکو گے جب کہ وہ شکار کھیل رہا ہوگا۔ چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ہوا اور اس کو گرفتار کر کے بارگاہ رسالت میں حاضر کر دیا۔

سوال: حضور ﷺ نے وہاں کتنے عرصہ قیام فرمایا اور مدینہ کب تشریف لائے؟

جواب: پندرہ یا بیس روز، اور پھر رمضان المبارک میں حضور ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

سوال: مسجد ضرار کی کیا حقیقت تھی اور اس کو حضور ﷺ نے کیوں جلوا دیا اور کب؟

جواب: منافقوں نے مسلمانوں کے برخلاف مشورہ کرنے کے لیے مسجد کے نام سے قبا میں ایک مکان بنایا تھا، اس کو مسجد ضرار کہا گیا۔ حضور ﷺ نے اس سفر سے واپسی پر اس کو جلانے کا حکم فرما دیا۔

سوال: اس سال اور غزوے کتنے ہوئے اور دسے کتنے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں، البتہ تین دسے روانہ کیے گئے۔

خلاصہ

معلوم ہوا کہ ہر قل بادشاہ موتہ کی جنگ کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے تو حضور ﷺ پہلے ہی سے اس کی بندش کے واسطے تیس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر جب ۹ھ میں مدینہ طیبہ سے روانہ

۱۔ وہی ابو عامر فاسق جس نے جنگ احد میں گڑھے کھود کر چھپا دیے تھے کہ مسلمان اس میں گریں، اسی کی رائے تھی کہ ایک مسجد بنائی جائے تاکہ اس قسم کی سازش آسانی سے کر سکیں اور یہ بھی کہا تھا کہ میں روم کے بادشاہ کے پاس فوج لینے جا رہا ہوں، ایسے موقع پر یہ مسجد بہت کچھ کام دے گی۔ ڈھٹائی کی حد ہو گئی کہ اس تمام فریب کے ساتھ حضور ﷺ سے اس میں نماز پڑھنے کی بھی درخواست کی جو منظور بھی ہو گئی، مگر خدا نے اس سے پہلے ہی ان کے فریب پر مطلع کر دیا۔ اس طرف عیاری کی حد ہے تو اس جانب سادگی کی انتہا۔

ہو گئے۔ گرمی کا زمانہ تھا، قحط تھا، مسلمان بے حد تنگ دست تھے، چندہ سے فوج کی ضروریات کا انتظام کیا گیا۔ صحابہ کرام مرد اور عورتوں نے حیثیت سے بڑھ بڑھ کر چندے دیے۔ جب یہ لشکر تبوک مقام پر پہنچا تو وہاں کوئی نہ رہا تھا۔ ہر قہل بادشاہ محض چلا گیا تھا، پندرہ روز حضور ﷺ نے وہاں قیام فرمایا، پھر واپس تشریف لے آئے۔ رمضان شریف میں مدینہ پہنچے۔ اس قیام کے زمانہ میں اکیدر نواب کو گرفتار کر کے لایا گیا اور دوسرے نوابوں سے معاہدے ہوئے، واپسی پر حضور ﷺ نے مسجد ضرار کو جلوانے کا حکم دیا جو منافقوں نے مسلمانوں کے برخلاف مشورہ کرنے کے لیے بنائی تھی۔

انتظامات حج اور اعلان برأت

سوال: اس سال کے اور بڑے بڑے واقعات کیا ہیں؟

جواب: (الف) حج ادا کیا گیا، جو علماء کے ایک قول کے بموجب اسی سال فرض بھی ہوا تھا۔ اس کا انتظام کرنے کے لیے تین سو مسلمانوں کے دستہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سردار یعنی ”امیر“ بنا کر بھیجا گیا (۱) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ مشہور خداوندی اعلان سنایا: جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورہ براءت میں کی گئی تھی۔ (۲) اور اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک اللہ کے گھر میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (۳) کوئی شخص ننگا ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔ (۴) کافر جنت میں نہ داخل ہوں گے۔

(ب) بڑے بڑے قبیلوں کے وفد آئے جو اسلام سے مشرف ہو کر گئے۔

۱۔ جس کا حاصل یہ ہے: (۱) جن لوگوں نے معاہدوں کی پوری پابندی کی ان کے معاہدے اپنی اپنی مدت تک باقی رہیں گے۔ (ب) جن لوگوں نے معاہدوں سے خلاف ورزی کی یا اب تک کوئی معاہدہ نہیں کیا ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، پھر ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے، کیونکہ وہ غداری، مکاری اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ (ج) ان کو اختیار ہے کہ کوئی ایسا چارہ تجویز کر لیں جو اسلامی طریق کے لیے بھی قابل تسلیم ہو۔ (سورہ توبہ)

سوال: وفد کس کو کہتے ہیں؟

جواب: وفد اس جماعت کا نام ہے جو کوئی مقصد لے کر کسی کے پاس جائے۔

سوال: زیادہ وفد حضور ﷺ کی خدمت میں کب آئے؟

جواب: اسی سال یعنی ۹ ہجری میں۔

سوال: اس کی وجہ کیا تھی؟

جواب: معلوم ہو چکا ہے کہ صلح حدیبیہ سے پہلے تو دنیا کی زمین مسلمانوں پر تنگ تھی۔ اس کے راستے ان کے لیے بند تھے، قدم قدم پر خطرہ تھا۔ صلح نے ان وقتوں کو ختم کر دیا۔ اسلامی خیالات کو پھیلایا گیا، غلط بہتانوں کو اٹھایا گیا، مگر کفار مکہ کا غلبہ، ان کا رعب داب اور ان کی پرانی عزت دوسرے قبیلوں کو مسلمان ہونے سے اب بھی روکے ہوئے تھی۔ ۸ ہجری میں فتح مکہ کے باعث جب یہ ظالم طاقت ٹوٹ گئی تو اسلامی جہاد کا مقصد سامنے آ گیا، یعنی کمزوروں کو اپنی مرضی سے اپنی بھلائی کا دین اختیار کرنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ وفد آئے۔

خلاصہ

اس سال کے دوسرے بڑے واقعات میں سے یہ ہے کہ اسلامی حج ادا کیا گیا جس کے انتظام کے لیے تین سو مسلمانوں کے دستہ کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا گیا۔

۱۔ یہ بات ہمیشہ یاد دہانی چاہیے کہ اسلامی جہاد کا مقصد قتل و فساد کا دنیا سے اٹھا دینا ہے، نہ کہ زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنانا، ورنہ مفتوحہ ممالک میں کوئی ایک بھی کافر نہ رہتا اور کم از کم فتح مکہ کے موقع پر لوگوں کو امن نہ دیا جاتا، بلکہ یہ اعلان ہوتا کہ جو مسلمان نہ ہو وہ تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے، یہ ایک عجیب لطیف ہے کہ بڑی بڑی طاقتوں والے مقابلہ کے وقت مسلمان نہیں ہوئے، فتح مکہ کی نظیر سامنے ہے۔ یوثقیف اور ہوازن کے کفار بھی اس وقت مقابلہ پر ڈٹے رہے، پھر آ کر مسلمان ہوئے۔ قبیلہ بنو حنیف کا سردار ثمامہ بن اثال گرفتار کیا گیا، مگر مسلمان جب ہوا کہ اس کو بالکل رہا کر دیا گیا۔ اسی طرح حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے داماد، حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا گرفتار کر کے لائے گئے، اس وقت مسلمان نہیں ہوئے، پھر خود بخود مسلمان ہوئے اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ واللہ علی ما نقول و کبیل۔

اسی حج میں وہ مشہور خداوندی اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنایا جس کی ہدایت قرآن پاک میں سورہ توبہ میں کی گئی تھی اور کفار قریش کی طاقت ٹوٹ گئی تھی اور مسلمان ہونے والے قبیلوں کے لیے راستہ صاف ہو گیا تھا، لہذا قبیلوں کے وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۱۰۔

مشرق میں دوبارہ آفتاب کا طلوع، حضور ﷺ کا حج

سوال: ۱۰۔ ہجری میں کتنے غزوے ہوئے اور کتنے دستے روانہ کیے گئے؟

جواب: غزوہ کوئی نہیں ہوا، ہاں دودستے روانہ ہوئے۔

سوال: حج کب فرض ہوا تھا اور حضور ﷺ نے کب ادا کیا؟

جواب: ۵۔ ہجری میں ۱۰۔ ہجری میں یا ۱۰۔ ہجری میں علماء کا اختلاف ہے،

بہر حال حضور ﷺ نے ۱۰۔ ہجری میں ادا کیا۔

سوال: حضور ﷺ کے اس حج کا نام کیا ہے اور اس نام کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حجۃ الوداع یعنی رخصتی حج، کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے تین ماہ بعد رحلت فرمائی۔

سوال: حضور ﷺ کا مدینہ طیبہ سے کب روانہ ہوئے؟

جواب: پچیس یا چھپیس ذی قعدہ کو بروز سنجر (ہفتہ) بعد ظہر ۱۰۔

سوال: حضور ﷺ مکہ معظمہ کب پہنچے؟

جواب: ۴۔ ربیع الثانی کو بروز اتوار ۱۰۔

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ اس سال کتنے مسلمانوں نے حج ادا کیا؟

جواب: ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے۔

سوال: حضور ﷺ نے حج کے موقع پر کتنی تقریریں فرمائیں اور کہاں کہاں؟

جواب: تین: (۱) ۹ ربی الحجہ کو عرفہ مقام پر میدان کے بیچ میں، جب کہ آپ اپنی اونٹنی پر سوار تھے جس کا قصواء نام تھا۔ (۲) ۱۰ ربی الحجہ کو منیٰ مقام پر۔ (۳) ۱۱ ربی الحجہ کو منیٰ مقام پر۔

سوال: ان تقریروں کا حاصل کیا تھا؟

جواب: (۱) مسائل کو پوری طرح سمجھ لو۔ ممکن ہے اس سال کے بعد میں اور آپ اکٹھے نہ ہو سکیں۔

(۲) یاد رکھو! تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزت آبرو، ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے جیسے آج کے دن کی، اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت سمجھتے ہو۔

(۳) لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ یاد رکھو! وہاں تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کیا جائے گا۔

(۴) زمانہ جاہلیت کے تمام طریقے پیروں میں مسل دیے گئے۔

(۵) اس زمانہ کے خونوں کا آئندہ مطالبہ نہ کیا جائے۔

(۶) جتنے سود تھے وہ سب معاف۔ آئندہ قطعاً خاتمہ۔

(۷) میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مت دبانا، کافروں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے مت ہو جانا۔

۱۔ زاد المعاد: ۲۳۵/۱

۲۔ اسلامی فرائض اور سلسلہ رحم و کرم، رابطہ اتحاد و اتفاق اور ہمہ گیر امن و امان حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین تھے۔ اتحاد عالم، امن عام کے مبلغ اور اسلام ان کی تعلیم، جب کہ حیات پاک کے آخری دور کے ساتھ اسلام کے آخری فرض ”حج“ کا بیان ختم ہو رہا ہے اور حضور ﷺ کے مقدس خطبہ کی وہ دفعہ بھی سامنے ہے کہ میرے بعد کافرت بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن دباؤ، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاؤ، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد و اتفاق، رحم و محبت اور امن و امان کے دوسرے رابطہ پر بھی تنبیہ کی جائے جو اسلامی تعلیم کا گویا تار پود ہے اور گوشت پوست اور امن عالم کا اصلی جوہر، مثلاً اسلام کا سب سے عام فرض نماز ہے، ہر مسلمان واقف ہے کہ جماعت کو اس کے لیے =

(۸) خداوندی کتاب خداوندی احکام کے مطابق، جو تم پر حکومت کرے اس کی پوری پوری اطاعت کرنا۔

= ضروری قرار دیا گیا ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے جماعت کے بغیر مرد کی نمازی جائز نہیں مانی۔

جماعت اور اتحاد ظاہر ہے کہ (۱) جماعت کے ذریعہ سے اہل محلہ کا روزانہ پانچ مرتبہ اجتماع ہوگا۔ (۲) اس میں سلام و کلام بھی ہوگا۔ (۳) ایک دوسرے کی خیریت بھی معلوم کی جائے گی۔ (۴) کوئی بیمار ہوگا تو اسکی مزاج پرسی بھی ہوگی۔ (۵) کوئی پریشان ہوگا تو اس سے ہمدردی بھی ہوگی، یہ سب باتیں اتحاد کے لیے اصل اصول ہیں۔ رحم و محبت کی جڑیں ہیں اور اسن عالم کی بنیادیں۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی یاد رہے کہ: (۱) چغل خور یا غیبت کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا (لایدخل الجنة قتات ولا نمام) (۲) گالی گلوچ فسق ہے، لڑنا کفر (سباب المؤمن فسق و قتاله کفر) (۳) ایک دوسرے پر پھبتی حرام ہے (لایسخر قوم من قوم) (الحجرات: ۱۱) (۴) جو کسی کی معصیت دور کرتا ہے خدا اس کی معصیت قیامت کے روز دور کرے گا (من فرج عن مؤمن کربة..... الخ) (۵) تکبر خدا کی برابری کا دعویٰ ہے، تکبر خدا کی چادر چھینتا ہے، کیونکہ عظمت صرف اسی کا حلد ہے (الکبرياء ردائی..... الخ) (۶) ڈوڑھ برابر غرور بھی جنت کی راہ میں بھاری چٹان ہے (لایدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرة او خردل من..... الخ) (۷) مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔ (المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده) (۸) مؤمن وہی ہے جس کے شر سے خدا کی ساری مخلوق امن میں رہے (المؤمن من امن الناس بوائفه) (۹) فضل وہی ہے جس کے منافع عام ہوں، جس کی خیر خواہی ساری مخلوق کو شامل ہو۔ (شامل ترمذی) (۱۰) وہ شخص جماعت اسلام سے خارج ہے جو بڑوں کا احترام، علماء کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے (لیس منا من لم یرحم صغیرنا و لم یوقر کبیرنا..... الخ)۔

وحدت قبلہ: اسی مقصد اتحاد کی بنا پر اگر ایک طرف حکم ہوتا ہے کہ نمازی مغرب بالکل سیدھی رہیں، ایک ٹخا دوسرے ٹخنے کے برابر رہے۔ اور غلام ہو یا آقا، غریب ہو یا امیر، فلس فلاش ہو یا شہنشاہ و تاجدار، جب نماز میں کھڑے ہوں تو ایک دوسرے کے موٹہ سے موٹہ حامل کر۔ تو اسی طرح دوسری طرف ایک خاص رخ پر ایک مرکز مقرر کر دیا گیا کہ سب کے سجدے اس طرف ہونے چاہئیں تاکہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب، یورپ، ایشیا غرض اختلاف بلاد، اختلاف ممالک، اختلاف اقوام کی تفریق اٹھ کر بجکتی کے ایک خوب صورت رشتہ سے سب منسلک ہو جائیں، اس صورت کا شائبہ بھی نہ آئے کہ کوئی "لات" کو پوجتا تھا، کوئی "عزنی" کو۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا ہر جگہ ہے اور ہر طرف اسی کا سجدہ ہے، اسی کی نماز، نہ سجدہ خانہ کعبہ کا ہے نہ بوسہ حجر اسود کا، خانہ کعبہ ایک کوٹھری کا نام ہے اور حجر اسود ایک پتھر۔ نماز کے بعد اسلام کا دوسرا فرض روزہ ہے تاکہ بادشاہوں اور ناز پروردہ خوش اقبال لوگوں کو نونوع انسان کے =

(۹) اپنے پروردگار کی عبادت، نماز، روزہ، مسلم حکام کی اطاعت، پوری پابندی سے کرتے رہو۔ جنت تمہاری ہے۔

= غریب مسکین، بھوکے اور فاقہ مست افراد کے درد جگر کا احساس ہو اور قدرتی طور پر ان کی ہمدردی کا ایک خم امیر دلوں میں بویا جائے۔ لیکن اس بیج کو خاک میں ملا دینے کے لیے نہیں بویا جاتا، بلکہ اس پر عمل کرنا مقصود ہوتا ہے، چنانچہ رمضان ختم ہوتے ہی غم خواری نوع انسان کی شاہراہ پر قدم اٹھوایا جاتا ہے اور وہ صدقہ فطر کی ادائیگی ہے۔ یعنی یہ کہ جب تک ۲۷ چھٹانک گئے ہوں یا ۵۳ چھٹانک جو غریبوں کو نہ دیئے جائیں گے اس وقت تک روزے گویا معلق ہیں۔ ادھر ہیں نہ ادھر، قبولیت کا درجہ بعد صدقہ فطر ہی کے ہے۔ لیکن ایک فوری عمل ہے جو روزہ والی تعلیم کا گویا وقتی امتحان ہے۔ اس کے علاوہ مستقل طور سے ان کے پاس یا ان کے شہر میں رہنے والے غرباء کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا جس کی مقدار ڈھائی فیصدی ہے جس کو زکوٰۃ کے نام سے تعبیر کیا جا ۳ ہے، لیکن اول خویش بعدہ درویش کے اصول کے بموجب اس کا دائرہ مقاصد صرف مسلمانوں تک محدود رہا، لیکن مسلم کی شان یہ بتائی گئی کہ اس کے دست کرم سے انسان تو انسان، جانور بھی محروم نہ رہیں۔

ساتھ میں یہ تاکید بھی ہوگئی کہ ڈھائی فیصدی کے علاوہ کچھ اور بھی فقراء کا حصہ اپنے مال میں سمجھنا ضروری ہے، جس قدر صرف کر دو گے ثواب پاؤ گے۔

اس ڈھائی فیصدی کے وظیفہ نے ایک طرف امراء کو غرباء کا عملی ہمدرد بنادیا تو دوسری طرف غرباء کو اپنے محسن امراء کا جاں نثار۔

بھوکوں کا پیٹ بھرا اور ان کی فدا یا نہ محبت نے امراء کے مال کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کر دیا، وہ سوئے، اس کے محلہ کے غریب اس کی حفاظت کریں گے کہ ہمارا محسن ہے، اس کے مال میں ہمارا بھی حصہ ہے، سرمایہ داری کا کوئی سوال اٹھانے والا ایسی نہ رہا تو سوال کیا۔ یہ ہے: "يَسْحَقُ اللَّهُ الرَّبَّوْا وَيَرْبِي الصَّدَقَتِ" (البقرہ: ۲۷۶) خدا سو کو گھٹاتا اور صدقوں کو بڑھاتا ہے۔

نماز کے سلسلہ میں جماعت کی شکل سے جو محلہ بہ محلہ اتحادی انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی گئی تھیں اس کی ترقی کا دوسرا درجہ جمعہ کی نماز ہے، یعنی پورے شہر کا اتحادی جلسہ جس میں دیہات کے نمائندے بھی آ سکتے ہیں اور برابر کا حصہ پاسکتے ہیں۔ تیسرے قدم پر عیدین کی نمازیں رکھی گئیں جو جمعہ سے زیادہ وسیع ہیں۔ قرب و جوار کے دیہات پر اسکی شمولیت لازم تو نہیں قرار دی گئی، کیونکہ اسلام انسان کو زیادہ تکلیف نہیں دیتا، لیکن ہاں! ان کی شان اور سالانہ تقریب کی اہمیت نے دیہات والوں کو کشائ کشائ یہاں پہنچا کر عملی شمولیت پیدا کر دی اور اصولاً نہ سہی تو عملاً شہر اور قرب و جوار کی متحدہ کانفرنس ہوگئی، مگر ابھی کالے اور گوروں کا اجتماع باقی تھا۔ مشرق اور مغرب کو ایک جگہ نہیں کیا گیا تھا۔ جنس انسان =

- (۱۰) عورتوں کے متعلق خدا کا خوف رکھنا۔ ان کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھنا۔ تم ایک خاص ذمہ داری کے ساتھ ان کے سردار بنائے گئے ہو، عورتیں بھی مردوں کی پوری پوری اطاعت کریں۔ ان کے مرضی کے خلاف کسی کو گھر میں بھی نہ آنے دیں۔
- (۱۱) تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک انھیں پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے: ایک اللہ کی کتاب، دوسرے میرا طریقہ اور تعلیم۔

= کے لباسی امتیازات کو بھی نہیں اٹھایا گیا تھا۔ لہذا اسی خانہ کعبہ پر جو مسلمانوں کے ان تمام فطری اور جغرافیائی اصناف و اقسام کا مشہدہ مرکز تھا اور قدرتی طور پر بھی ربع مسکون کے وسط پر واقع ہوا تھا، نیز اس کا بانی بھی وہ تھا جو اکثر اقوام انسانی کا نہیں اس سے بھی اوپر، تمام اولاد آدم کا باپ تھا (کیونکہ ابراہیم علیہ السلام بھی خانہ کعبہ کے بانی کہے جاتے ہیں، مگر درحقیقت بنیادیں وہی تھیں جن پر حضرت آدم علیہ السلام پہلے اس مکان کو تعمیر کر چکے تھے، مگر امتداد زمانہ نے اس کو مٹا دیا تھا) حج کے نام سے ایک سالانہ کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ نمائندگی کے لیے اسلام کے ساتھ صرف آزادانہ بلوغ کی شرط رکھی گئی۔ یہاں مرد اور عورت کی تفریق بھی نہ تھی۔ البتہ خرچہ آنے والے کے ذمہ پر ڈال دیا گیا۔ اس موقع پر ان قربانیوں کی یاد دہانی کی گئی جو ان کے باپ ابراہیم اور پھر حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خدا کے نام پر پیش کی تھیں۔ صرف فرق یہ رہا کہ بیٹے کی جگہ جانور کو خلیفہ بنا دیا گیا، تاکہ اس ذبح کے ساتھ اس قائم مقام کی جنس پر شفقت بھی پوری پوری ہو۔ اس موقع پر کم از کم تین تقریریں رکھی گئیں جن میں تمام ضروری مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ باقی وہ تمام مقاصد جو کسی ہفت اقلیم کے شہنشاہ کو مختلف الممالک، مختلف اللسان، مختلف النسل رعایا کے اتحادی کونسل سے، کسی کمانڈر کو اپنی تمام فوج کے اجتماع سے، کسی عالمگیر قوم کو مشہدہ کانفرنس سے، کسی وسیع الدائرہ تجارت کو عالمگیر نمائش سے حاصل ہو سکتے ہیں، وہ اس حج سے حاصل ہو گئے۔

لباس کے اختلاف کو اٹھا کر امیر و غریب کی امتیازی شان بھی اس موقع پر ختم کر دی گئی۔ تمدن اور تہذیب کی چمک دمک کو بھی الگ کر کے صرف وہ لباس رکھا گیا جو باوا آدم کے زمانہ میں ہوگا۔ یعنی بے سلا تہبند اور چادر، یہ ہے فلسفہ اتحاد جو فرائنض سے نپکتا ہے۔

پانچواں فرض جہاد ہے جس کے متعلق ممکن ہے اس کتاب میں کسی جگہ کوئی اور مضمون آپ کو مل جائے، ورنہ یا زندہ صحت باقی۔ **إِنْ شَاءَ اللَّهُ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ.**

سوال یہ ہے کہ کیا چودھویں صدی کے مسلمان اسی واسطے پیدا کیے گئے ہیں کہ اس مقدس تعلیم کو (معاذ اللہ) مسئلے رہیں۔ **اللهم اهد قومنا وسددهم. آمین**

(۱۲) جو لوگ یہاں موجود ہیں میرے تمام پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں، کیونکہ بسا اوقات دوسرا شخص پہلے سننے والے کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والا اور زیادہ سمجھدار ہوتا ہے۔

خاتمہ: لوگو! قیامت کے روز میری بابت بھی تم سے سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ! کیا جواب دو گے؟

سب نے کہا: شہادت دیں گے کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم تک پہنچا دیئے، تبلیغ اور رسالت کا حق ادا کر دیا۔ ہماری بھلائی خوب طرح سمجھادی۔ حضور ﷺ (آسمان کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) اے اللہ! گواہ رہ، خدا یا! گواہ رہنا، خداوند! شاہد رہنا۔

سوال: حضور ﷺ نے کتنے اونٹ قربانی میں ذبح کیے؟

جواب: ۶۳ خود اپنے دست مبارک سے اور ۳ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے۔

سوال: آیت جس میں دین اسلام کے مکمل ہونے کی اور خدا کی نعمت تمام ہونے اور دین اسلام سے خداوند عالم کے خوش ہونے کی بشارت دی گئی ہے، وہ کب نازل ہوئی؟

جواب: ۹ رزی الحجۃ البجری کو عرفہ کے روز، جمعہ کے دن۔

خلاصہ

۲۵ یا ۲۶ رزی قعدہ ۱۰ ہجری بروز سنچر (ہفت) حضور ﷺ حج فرض ادا کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ۳ رزی قعدہ کو مکہ معظمہ پہنچے اور حج ادا کیا۔ ایک لاکھ سے زائد مسلمان شریک تھے۔ ۹، ۱۰، ۱۱ کو حضور ﷺ نے تقریریں فرمائیں جن کے جملے گویا کوزے تھے۔ جن میں علوم معارف و نیاوی اور دینی بھلائیوں کے سمندر بھر دیئے گئے تھے۔ قربانی میں سواونٹ ذبح کیے اور اسی موقع پر ۹ ر تاریخ کو وہ آیت نازل ہوئی جس میں دین اسلام کے مکمل ہونے اور مسلمانوں پر نعمت خداوندی کے پورے ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

۱۱ھ

شام رسالت

سوال: وہ آخری لشکر کون سا تھا جو حضور ﷺ نے حج سے واپس ہو کر تیار کیا؟

جواب: وہ لشکر جس کے سردار حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جس کو ”ہیش اسامہ“ بھی کہا جاتا ہے۔

سوال: حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ کون تھے اور ان کی عمر اس وقت کیا تھی؟

جواب: حضور ﷺ کے محبوبؑ یعنی حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے صاحبزادے، حضرت أسامہ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت کل ۷ ابرس تھی۔

سوال: یہ لشکر کہاں روانہ کیا جا رہا تھا؟

جواب: شام کی طرف۔

سوال: یہ لشکر شام کب پہنچا اور تاخیر کی وجہ کیا ہوئی؟

جواب: یہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے کچھ دور ہی گیا تھا کہ حضور ﷺ کو بخار شروع ہو گیا اور پھر وفات ہو گئی۔ لہذا یہ لشکر حضور ﷺ کی زندگی مبارک میں روانہ بھی نہ ہو سکا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو روانہ کیا۔

۱۔ اس سے آفتاب رسالت کا غروب ہونا مراد ہے۔

۲۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس میں شامل تھے۔

۳۔ یاد ہو گا غزوہ موتہ میں ان کے والد ماجد کو سردار بنایا گیا تھا، فتح مکہ کے دن یہی أسامہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے برابر حضور ﷺ کی انٹنی پر سوار تھے۔ آج یہی أسامہ رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر بزرگوں کا افسر بنا کر روانہ کیا جا رہا ہے اور صرف یہی نہیں مخصوص عنایت کی حالت یہ ہے کہ محبوب رسول اللہ ان کا لقب ہے۔ کیا اسلامی مساوات کی دنیا اب بھی قائل نہ ہوگی؟

فائدہ

علامہ مغلطائی کی تحقیق کے بموجب تمام غزوؤں اور دستوں کی سن وار فہرست
سوال: ان تمام غزوؤں کی سن وار فہرست بیان کرو جن میں حضور ﷺ خود شریف لے گئے۔

جواب:

سنہ ہجری	کل تعداد	غزوات کے نام
۲ ہجری	پانچ	(۱) جنگ ابواء یا جنگ وڈان (۲) جنگ بواط (۳) جنگ بدر (بڑی) (۴) جنگ بنی قینقاع (۵) جنگ سویق۔
۳ ہجری	تین	(۱) جنگ غطفان (۲) جنگ احد (۳) جنگ حراء الاسد۔
۴ ہجری	دو	(۱) جنگ بنی نضیر (۲) جنگ بدر (چھوٹی)
۵ ہجری	چار	(۱) جنگ ذات الرقاع (۲) جنگ دومة الجندل (۳) جنگ مریسج یا جنگ بنی مضطلق (۴) جنگ خندق۔
۶ ہجری	تین	(۱) جنگ بنی لحيان (۲) جنگ غابہ یا جنگ ذی قرد (۳) سفر حدیبیہ۔
۷ ہجری	ایک	(۱) جنگ خیبر۔
۸ ہجری	تین	(۱) جنگ فتح مکہ (۲) جنگ حنین (۳) جنگ طائف۔
۹ ہجری	ایک	(۱) جنگ تبوک۔

سوال: ان تمام دستوں کی سن وار فہرست بیان کرو جن میں حضور ﷺ شریف نہیں لے گئے۔

جواب:

سنہ ہجری	کل تعداد	سریوں کے نام
۱ ہجری	دو	(۱) سریہ حمزہ (۲) سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہما
۲ ہجری	تین	(۱) سریہ عبداللہ بن جحش (۲) سریہ عمیر (۳) سریہ سالم رضی اللہ عنہم

۳ ہجری	دو	(۱) سریہ محمد بن مسلمہ (۲) سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما
۴ ہجری	چار	(۱) سریہ ابو سلمہ (۲) سریہ عبداللہ بن ابیہ (۳) سریہ منذر (۴) سریہ مرثدہ رضی اللہ عنہم
۵ ہجری		اس میں کوئی سریہ وغیرہ نہیں ہوا۔
۶ ہجری	گیارہ	(۱) سریہ محمد بن مسلمہ "قرطاء" کی طرف (۲) سریہ عکاشہ (۳) سریہ محمد بن مسلمہ "ذی القفۃ" کی طرف (۴) سریہ زید بن حارثہ بنی ملیح کی طرف (۵) سریہ عبدالرحمن بن عوف (۶) سریہ علی (۷) سریہ زید بن حارثہ "ام قریظہ" کی طرف (۸) سریہ عبداللہ بن عتیک (۹) سریہ عبداللہ بن رواحہ (۱۰) سریہ کرز بن جابر (۱۱) سریہ عمرو الضمری رضی اللہ عنہم
۷ ہجری	پانچ	(۱) سریہ ابو بکر (۲) سریہ بشیر بن سعد (۳) سریہ غالب بن عبداللہ (۴) سریہ بشیر (۵) سریہ اخرم، رضی اللہ عنہم
۸ ہجری	دس	(۱) سریہ غالب، بنی الملوچ کی طرف (۲) سریہ غالب فذک کی طرف (۳) سریہ شجاع (۴) سریہ کعب (۵) سریہ عمرو بن العاص (۶) سریہ ابوعبیدہ بن جراح (۷) سریہ ابوقادہ (۸) سریہ خالد بن یاسر (۹) سریہ غمیصاء (۱۰) سریہ طفیل بن عمرو دوسی (۱۱) سریہ قطبہ رضی اللہ عنہم
۹ ہجری	تین	(۱) سریہ علقمہ (۲) سریہ علی (۳) سریہ عکاشہ، رضی اللہ عنہم
۱۰ ہجری	دو	(۱) سریہ خالد بن ولید، بجانب نجران (۲) سریہ علی، یمن کی جانب رضی اللہ عنہما
۱۱ ہجری		حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک دستہ روانہ کیا تھا، مگر یہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد روانہ ہو سکا۔

کل دستے: ۴۴

کل غزوہ: ۲۲

ذکر کیے ہوئے دستوں اور

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامان جنگ
۱	سریہ حضرت حمزہ رضی اللہ رمضان شریف ۱ ہجری	حضرت حمزہ رضی اللہ	۳۰ مہاجر، حضرت ابو مرثد کناز بن حصین غوی رضی اللہ علیہ سردار تھے۔	قریشی قافلہ جو شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہا تھا۔ سردار: ابو جہل تعداد: ۳۰۰
۲	سریہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ شوال ۱ ہجری	حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ	۶۰ مہاجرین۔ عبد مناف کے پڑپوتے حضرت مطح بن امامہ رضی اللہ علیہ سردار تھے	کفار قریش سردار: ابوسفیان تعداد: ۲۰۰
۳	غزوہ ابواء یا غزوہ وڈان صفر ۲ ہجری	خود حضور ﷺ اسلامی لشکر کے سردار، مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ	حضرت حمزہ رضی اللہ علیہ سردار تھے۔	قریش کا قافلہ
۴	غزوہ بواط ربیع الاول ۲ ہجری	خود حضور ﷺ، اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سعد رضی اللہ	۲۰۰ صحابی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ علیہ سردار تھے۔	قریش کا قافلہ ۳۰ آدمی بہ اونٹ تقریباً ڈیڑھ ہزار، امیہ بن خلف سردار

۱۔ ابواء اور وڈان۔ اس مقام کے قریب دو جگہوں کے نام ہیں۔
۲۔ بواط جہینہ کی پہاڑیوں میں سے ایک
پہاڑی (دو چوٹیوں) کا نام ہے۔ شام کی جانب مدینہ سے تقریباً ۵۰ میل (۸۰ کلومیٹر)۔

جنگوں کے متعلق اجمالی نقشہ

جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
جنگ نہیں ہوئی، بیچ بچاؤ ہو گیا۔	مقصد یہ تھا کہ قریش کی تجارت کو بند کیا جائے تاکہ اُن کے ظلم کا زور ٹوٹے۔	یہ دستہ اسلام میں پہلا دستہ تھا جو تلواریں لڑنے کی غرض سے نکلا۔
جنگ نہیں ہوئی، البتہ تیر اندازی ہوئی۔	بطن رافع مقام پر ابو سفیان دوسو آدمی لے کر مدینہ پر حملہ کی غرض سے پہنچنے والا تھا۔	حضرت سعد بن ابی وقاص <small>رضی اللہ عنہ</small> نے تیر چلایا جو اسلام میں سب سے پہلا تیر تھا۔
جنگ نہیں ہوئی	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	اس سفر میں حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> نے قبیلہ بنی ضمرہ سے ایک معاہدہ کر لیا۔ بنو ضمرہ کا سردار عمرو بن مخش تھا۔
جنگ نہیں ہوئی، قافلہ نکل گیا۔	قریش کے قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔	

۳۔ زاد المعاد اور دوسری مستند کتب میں یہ تعداد ۱۰۰ ذکر کی گئی ہے۔

انساب الاشراف: ۱/۳۳۲، المستنظم: ۲/۲۰۳، زاد المعاد: ۳/۱۳۱

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سر دار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سر دار اور اُن کا سامان جنگ
۵	سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ یا سریہ نخلہ رجب ۲ ہجری	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	۱۲۰ مہاجرین	قریش کا قافلہ جو شام سے آ رہا تھا۔ اُسکے اندر عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مغیرہ کے دو بیٹے عثمان اور نوفل بڑے تھے۔
۶	غزوہ بدر کبریٰ یعنی بدر کی بڑی لڑائی۔ ۱۷ رمضان ۲ ہجری بروز جمعہ	حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا کیونکہ حضور ﷺ کی صاحبزادی یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ سخت بیمار تھیں۔	مسلمان کل ۳۱۳، انصار اور مہاجرین، کل دو گھوڑے، ستر اونٹ، چند تلواریں، بڑا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس، انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس، ایک چھوٹا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس۔	قریش کی ہتھیار بند فوج کی تعداد ۹۵۰ یا ایک ہزار پورے، ہتھیار: سات سواونٹ، سو گھوڑے۔ ابو جہل سردار۔
۷	غزوہ بنو قینقاع شوال ۲ ہجری	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ		بنو قینقاع کا قبیلہ جس میں سات سو آدمی لڑ سکتے والے تھے۔

جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	جنگ کی وجوہات	کوئی خاص بات
مسلمانوں کو فتح ہوئی، کفار میں سے ایک قتل، دو قید، اور مال غنیمت ہاتھ لگا۔	درحقیقت قریش کے قافلہ کی خبر لانے کیلئے نخلہ مقام پر بھیجا گیا تھا، وہاں اتفاقہ جنگ کی شکل پیش آگئی۔	یہ قتل اور یہ قیدی نیز اس قافلہ سے جو مال حاصل ہوا یہ اسلام میں پہلی مرتبہ تھا۔
مسلمانوں کو فتح، ۸ انصاری، ۶ مہاجرین، کل ۱۴ مسلمان شہید اور کافر ستر قتل ہوئے اور ستر ہی قید ہوئے۔	ابوسفیان کا قافلہ جو شام سے آرہا تھا اس کے روکنے کے لیے یہ فوج نکلی تھی مگر ابوسفیان نکل گیا، اور اس کے اشارہ کے بموجب مکہ سے ایک بڑی فوج مسلمانوں کو کھینے کی غرض سے بدر مقام پر پہنچ گئی۔	حضرت عثمان غنی <small>رضی اللہ عنہ</small> اگرچہ شریک نہیں ہو سکے، مگر حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> نے فرمایا کہ وہ خدا کے رسول کے کام میں ہیں۔ شریک ہونے کا ثواب ملے گا، اس شکست پر کفار کو بہت صدمہ ہوا۔ اُنکے سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل بھی تھا۔ آئندہ بدلہ لینے کیلئے فوراً تیاریاں شروع کر دیں۔ ابوسفیان نے قسم کھالی کہ جب تک بدلہ نہ لے لوں سر نہ دھوؤں گا، اس فتح کی خبر مدینہ میں اُس وقت پہنچی کہ حضرت رقیہ <small>رضی اللہ عنہا</small> زوجہ حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small> حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی صاحبزادی کو دفن کر کے لوگ مٹی سے ہاتھ جھاڑ رہے تھے۔
پندرہ روز محاصرہ رہا، آخر کار مدینہ سے جلاوطن ہو جانے کی شرط پر محاصرہ اٹھالیا گیا۔	جب مسلمان بدر گئے تھے تو ان لوگوں نے مدینہ میں بغاوت کی تھی اور زیادہ فتنہ کا خطرہ تھا۔	یہ لوگ عموماً تجارت پیشہ سنہار تھے۔

نمبر	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامان جنگ
۸	غزوہ عطفان یا غزوہ انار یا غزوہ ذی امر ربیع الاول ۳ ہجری	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ		بنو نضله اور بنو محارب کے ۳۵۰ سوار مع ہتھیار سردار دشو بن حارث بخاری
۹	غزوہ اُحد ۶ شوال ۳ ہجری	خود حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	ایک ہزار مکران میں سے ۳۰۰ منافق نکل گئے، ۷۰۰ باقی رہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ علمبردار تھے اور گھوڑے کل پہچاس۔	کفار قریش۔ سردار ابوسفیان، تعداد تین ہزار، سات سوز رہیں، گھوڑے دوسو، اونٹ تین ہزار
۱۰	سریہ بیر معونہ صفر ۳ ہجری	حضرت منذر پسر عمرو انصاری رضی اللہ عنہ	سترہ، سامان کچھ نہیں۔	جنگ کی خاطر نہیں گئے تھے، بلکہ نجد میں تبلیغ کرنے کیلئے جا رہے تھے راستہ میں عامر، رعل، ذکوان =
۱۱	غزوہ بنو نضیر ربیع الاول ۴ ہجری	حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔	بنو نضیر کا قبیلہ سردار حنی بن اخطب

کوئی خاص بات	جنگ کی وجوہات	جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان
دعشور عجیب طرح سے مسلمان ہو کر واپس ہوا، تفصیل کتاب میں گزری۔	دعشور نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ یہ حملہ قریش کی سازش کا نتیجہ تھا۔	دشمن مرعوب ہو کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔
حضرت مصعب بن عمیر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی شہادت پر جہنذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سنبھالا۔	بد رکا بدلہ لینے اور اپنی قسم پوری کرنے کے لیے مکہ والوں نے حملہ کیا تھا۔	مسلمانوں کو شکست ہوئی، ستر شہید ہوئے، کافر کل ۳۲ یا ۳۳ قتل ہوئے، مگر ان پر رعب ضرور چھا گیا۔ چنانچہ فوراً ہی دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔
= اور عصبہ کے قبیلہ والوں نے حملہ کر کے سب حضرات کو شہید کر دیا، صرف ایک صاحب بچ گئے جو زخمیوں میں پڑے ہوئے تھے، ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر اتفاق سے زندہ تھے، اچھے ہو گئے۔ تب مدینہ آن کر خبر دی۔ حضور <small>ﷺ</small> کو سخت صدمہ ہوا۔ مگر پھر یہ قبیلے مسلمان ہو گئے۔		
ان کی زمین ضبط کر لی گئی، ہتھیار لے لیے گئے، تلواریں: ۳۴، زرہیں: ۵۰، خود: ۵۰۔	نبی کریم <small>ﷺ</small> کے قتل کی سازش۔	محاصرہ کیا گیا جو چھ روز رہا، آخر کار وہ مدینہ سے نکلنے پر راضی ہو گئے مع اس سامان کے جو اونٹوں پر لے جا سکیں باقی ضبط کر لیا گیا۔

شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جہنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامان جنگ
۱۲	غزوہ خندق یا غزوہ احزاب ذی قعدہ ۵ ہجری	مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا گیا۔	تین ہزار	تمام عرب کے مشرکوں اور یہودیوں کی بڑی جماعتیں اور بنو قریظہ کے یہودی کل تقریباً پندرہ ہزار، ابوسفیان وغیرہ سردار
۱۳	غزوہ بنو قریظہ ذی الحجہ ۵ ہجری	حضور ﷺ مدینہ کے خلیفہ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ	جہنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیا گیا۔	بنو قریظہ کا قبیلہ، سردار کعب بن اسد
۱۴	غزوہ خدیجیہ ذی قعدہ ۶ ہجری	حضور ﷺ	مسلمان ۱۴۰۰ مگر چوں کہ جنگ کا ارادہ نہ تھا، اس وجہ سے سامان جنگ بھی نہ تھا۔	
۱۵	غزوہ خیبر محرم ۶ ہجری مارچ	حضور ﷺ اور مدینہ کے خلیفہ حضرت سباع بن ابی عرفطہ (الکسانی) رضی اللہ عنہ	۱۴۰۰ یا ۱۶۰۰، حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم بردار تھے۔	خیبر کے یہودی کنانہ بن ابی حقیق وغیرہ سردار۔

جنگ کی وجوہات	جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان	کوئی خاص بات
معمولی تیر اندازی اور معمولی کموار بازی، مسلمان ۶ شہید، کافر ۱۰ قتل اور ۱۵ روز کے بعد ناکام واپس ہوئے۔	پورے عرب کے یہودیوں اور مشرکوں نے متفقہ حملہ کیا تھا کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں۔	حضرت سلمان فارسی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی رائے کے بموجب مدینہ کے گرد خندق کھودی گئی۔
۲۵ روز محاصرہ رہا، یہودی ۴۰۰ قتل، ۲۰۰ قید۔	غزوہ خندق کے موقع پر بد عہدی کر کے کفار مکہ کا ساتھ دیا۔	بنو قریظہ کے یہودیوں نے اپنا اور حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا معاملہ حضرت سعد بن معاذ <small>رضی اللہ عنہ</small> کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت سعد <small>رضی اللہ عنہ</small> نے یہود کے مذہبی احکام کے بموجب یہ فیصلہ کیا کہ لڑ سکنے والے قتل، عورتیں بچے قید، جائیدادیں ضبط۔
حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے گئے تھے، کفار نے اجازت نہ دی البتہ باہمی صلح کا ایک معاہدہ ہو گیا جس کی میعاد دس سال رکھی گئی۔		
یہودیوں نے مدینہ سے اجڑ کر خیبر کو اپنی سازش کا مرکز بنالیا تھا۔	مسلمانوں کو فتح ہوئی، تمام قلعوں وغیرہ پر قبضہ ہو گیا۔ ۹۲ یہودی قتل، ۱۸ مسلمان شہید ۵ زخمی۔	حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خیبر کے اس پھانک کو تنہا اکھاڑ پھینکا جو ستر آدمیوں سے بھی نہ اٹھتا تھا، یہود خیبر کو خیبر میں رہنے دیا گیا، مگر اس شرط پر جب مسلمان چاہیں گے خالی کرالیں گے اور پیداوار کا ایک حصہ مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

نمبر شمار	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد سامان جنگ اور جھنڈا کس کے پاس تھا	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامان جنگ
۱۶	غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری	حضرت زید بن حارثہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	۳۰۰۰ مسلمان۔ جھنڈا حضرت زید بن حارثہ کے پاس تھا، پھر حضرت جعفر، پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ نامزد ہوئے تھے، پھر جھنڈا حضرت خالد نے سنجھالا۔ <small>رضی اللہ عنہ</small>	غسانی عیسائی اور کافر، شُرخیل غسانی سردار، ایک لاکھ یا ڈیڑھ لاکھ فوج۔
۱۷	فتح مکہ رمضان ۸ ہجری	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور مدینہ کے خلیفہ ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری یا حضرت عبداللہ بن امّ مکتوم <small>رضی اللہ عنہما</small>	دس ہزار مسلمان تھے۔ جھنڈے متعدد تھے۔	مکہ کے کفار
۱۸	غزوہ حنین یا اوطاس یا ہوازن شوال ۸ ہجری	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابو رہم یا عبداللہ بن امّ مکتوم <small>رضی اللہ عنہما</small>	بارہ ہزار	ہوازن اور ثقیف وغیرہ قبیلوں کے تمام آدمی، سردار مالک بن عوف نضری۔

کوئی خاص بات	جنگ کی وجوہات	جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان
<p>اس دستہ کے تین علمبرداروں کا نام حضور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ ضرورت ہو تو یکے بعد دیگرے وہ جھنڈا سنبھالتے رہیں، وہ تینوں شہید ہو گئے اور پھر جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھالا۔</p>	<p>حضور ﷺ کے سفیر حارث بن عمرو ازدی رضی اللہ عنہ کو شتر خیل نے قتل کر دیا تھا۔</p>	<p>مسلمانوں کو فتح ہوئی، کل بارہ مسلمان شہید ہوئے باقی بچ کر نکل آئے، مقابل پر رعب پڑ گیا۔</p>
	<p>کفار مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی جو خدیجہ کے موقع پر ۶ ہجری میں ہوا تھا۔</p>	<p>جنگ نہیں ہوئی، صرف ایک دستہ کا معمولی سا مقابلہ ہوا جس میں دو مسلمان شہید ہوئے اور ۷۲ یا ۲۸ کا قتل۔</p>
<p>مقابلہ کے لیے اس قدر آمادہ ہوئے تھے کہ عورتوں بچوں اور تمام مال کو ساتھ لائے تھے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا جس میں اونٹ چالیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار، چاندی تقریباً چالیس ہزار روپیہ کی۔</p>	<p>فتح مکہ پر ان لوگوں کو غیرت آئی اور اسی جوش میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔</p>	<p>جنگ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی، چھ ہزار سے زائد گرفتار اور بہت سامان حاصل ہوا، مسلمان کل چھ شہید ہوئے، کافراے مقتول۔</p>

نمبر	غزوہ یا سریہ کا نام مع تاریخ و ماہ و سنہ	اسلامی لشکر کے سردار اور مدینہ کے خلیفہ اگر غزوہ تھا	اسلامی لشکر کی تعداد	مقابلین کون تھے اُن کی تعداد اور سردار اور اُن کا سامان جنگ
۱۹	غزوہ طائف شوال ۸ ہجری	حضور ﷺ اور مدینہ کے خلیفہ حضرت ابو زہرہ یا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما	بارہ ہزار	بنو ثقیف وغیرہ۔ سردار عروہ بن مسعود وغیرہ۔
۲۰	غزوہ تبوک رجب ۹ ہجری	حضور ﷺ۔ مدینہ کے خلیفہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بال بچوں کے نگران حضرت علی رضی اللہ عنہ	تیس ہزار مسلمان، دس ہزار گھوڑے۔	ہرقل قیصر روم

کوئی خاص بات	جنگ کی وجوہات	جنگ کا نتیجہ، مسلمانوں کا اور مقابلین کا نقصان
منہجیق کا استعمال کیا گیا جو گویا اس زمانہ کی توپ تھی۔	حنین کے بھاگے ہوئے اپنی قوت جمع کر کے یہاں پہنچ گئے تھے۔	قلعہ بند ہو گئے، ایک ماہ محاصرہ رہا پھر حضور واپس تشریف لے آئے۔
مسلمانوں پر بہت تنگ دتی تھی، اسی وجہ سے اس کو ”غزوہٴ عسرت“ بھی کہتے ہیں چندہ سے سامان کیا گیا مسلمانوں نے بے نظیر جوش کا اظہار کیا۔	سنا گیا تھا کہ جنگ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے ہرقل تیار کیا کر رہا ہے۔	جنگ نہیں ہوئی، مقابل کی فوج واپس ہو گئی تھی مگر رعب خوب پڑ گیا۔

اہم اور بڑے بڑے واقعات کی سنہ وار فہرست

سوال: حضور ﷺ کے عہد مبارک کے بڑے بڑے واقعات سنہ وار بیان کرو؟
 جواب: نبوت کے پہلے سال: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ، حضرت ام ایمن، حضرت عثمان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم مسلمان ہوئے۔

نبوت کے پانچویں سال: حضرت عمر فاروق اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت ہجرت کر کے حبشہ گئی جن میں حضور ﷺ کی گوشہ جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

نبوت کے ساتویں سال: دوبارہ ہجرت ہوئی اور ماہِ محرم میں حضور ﷺ کو مع آپ کے تمام ساتھیوں کے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا۔

نبوت کے دسویں سال: شعب ابی طالب کا محاصرہ ختم ہوا، جس سے چھ ماہ بعد جناب ابوطالب صاحب نے وفات پائی۔ اور پھر تین روز بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے۔ مدینہ میں اسلام کا آغاز ہوا اور قبیلہ اوس کے دو بزرگ حضرت اسعد بن زرارہ اور حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے اور اسی سال حضور ﷺ طائف تشریف لے گئے۔

نبوت کے گیارہویں سال: اکثر علماء کے خیال کے بموجب معراج ہوئی اور پانچویں نمازیں فرض ہوئیں اور مدینہ طیبہ کے چھ یا آٹھ نفوس مسلمان ہو گئے۔

نبوت کے بارہویں سال: عقبہ کی پہلی بیعت ہوئی۔

نبوت کے تیرہویں سال: مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور عقبہ کی دوسری بیعت ہوئی۔

ہجرت کے بعد

۱۔ ہجری: مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کی تعمیر ہوئی اور اذان کی تعلیم اور مشہور لوگوں میں سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور سلمان فارسیؓ رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے۔

۲۔ ہجری: بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ روزے، زکوٰۃ فرض ہوئے، صدقہ فطر، نماز عید، قربانی کی تعلیم دی گئی، حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی اور حضرت فاطمہؓ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔

۳۔ ہجری: شراب حرام ہوئی۔

۴۔ ہجری: حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہ نے ارشاد نبوی کے بموجب یہودیوں کی لکھائی سیکھی تاکہ ان سے خط و کتابت ہو سکے۔

۵۔ ہجری: حج فرض ہوا۔ متنبی یعنی لے پالک بنانے کا قاعدہ منسوخ ہوا جو عرب میں بہت رائج تھا، جس کی رو سے منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے جیسے حقوق ملتے تھے، وہی وارث ہوتا تھا اور اس کی بیوی بیٹے کی بیوی کی طرح حرام مانی جاتی تھی۔

۶۔ ہجری: حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن طلحہؓ رضی اللہ عنہم اسلام لائے۔

۷۔ ہجری: حضرت ابوسفیان بن حربؓ رضی اللہ عنہ، ان کے صاحبزادے حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو قحافہؓ رضی اللہ عنہ والد ماجد حضرت ابو بکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان بن حارثؓ رضی اللہ عنہ پسر عبدالمطلب یعنی حضور ﷺ کے تائے زاد بھائی مسلمان ہوئے۔

۸۔ ہجری: حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر مکہ معظمہ روانہ کیا گیا اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ نے جا کر وہ مشہور اعلان کیا جسکی ہدایت قرآن پاک میں سورہ برأت میں نازل ہوئی تھی۔

اور ۹۔ ہجری یا ۱۰۔ ہجری میں بعض علما کے خیال کے بموجب حج فرض ہوا۔

۱۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ رضی اللہ عنہ اس میں پیدا ہوئے۔ از صحیح
۲۔ حارث حضور ﷺ کے سب سے بڑے تائے تھے۔ (زاد المعاد: ۶۶/۱ و سرور المحروون)

وفات النبی ﷺ

آفتاب نبوت کا نظروں سے اوجھل ہونا

سوال: حضور ﷺ کب بیمار ہوئے؟

جواب: ۲۸/صفر/۱۱ ہجری بروز منگل۔

سوال: کیا بیمار ہوئے؟

جواب: سر میں درد شروع ہوا، پھر تیز بخار آ کر تک رہا، بخار اس قدر تیز تھا کہ کبھی کسی پر نہیں دیکھا گیا۔

سوال: حضور ﷺ کتنے دنوں بیمار رہے؟

جواب: چودہ دن۔

سوال: حضور ﷺ کتنی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھ سکے؟

جواب: سترہ۔

سوال: ان نمازوں کو کس نے پڑھایا؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے۔

سوال: حضور ﷺ نے اس عرصہ میں پہلی تقریر کیوں فرمائی؟

جواب: انصار کے دلا سے اور تسلی کے لیے۔

سوال: اسکی صورت کیا ہوئی اور حضور ﷺ مکان سے مسجد میں کس طرح تشریف لائے؟

جواب: حضرت صدیق اکبر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا کہ انصار بیٹھے ہوئے رو

رہے ہیں۔ سب دریافت کیا تو انصار نے کہا: مجلس کی وہ شمع یاد آرہی ہے جس

کے ہم پروانے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور میں حاضر ہوئے اور انصار کے

رنج و غم کی اطلاع دی۔ امت مرحومہ کے روحانی باپ کھپنے نور چشم روحانی

فرزندوں کا رنج کب گوارا ہو سکتا تھا۔ اگرچہ چلنا مشکل تھا، مگر حضرت فضل رضی اللہ عنہ پسر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ مسجد میں تشریف لا کر حضور ﷺ منبر کی پہلی سیڑھی پر ہی تشریف فرما ہو گئے اور ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ افسوس یہ آخری نشست تھی۔

سوال: اس تقریر میں حضور ﷺ نے کیا فرمایا؟

جواب: خلاصہ یہ تھا: ”مجھے معلوم ہوا کہ میری وفات کا تصور آپ حضرات کو گھبرائے ہوئے ہے، کیا دنیا کا کوئی نبی، کوئی رسول بھی مجھ سے پہلے اپنی امت میں ہمیشہ ہمیشہ رہا ہے؟

یقیناً یہ وقت آنے والا ہے اور آپ لوگ بھی اسی طرح دنیا کو چھوڑ دینگے اور پھر جلد ہی مجھ سے ملیں گے۔ ہم سب کے ملنے کی جگہ حوض کوثر ہوگی جو شخص اس سے سیراب ہونا چاہے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو بیکار کام اور بے فائدہ بات سے روکے۔ انصار کی طرف خطاب کر کے کہا: آپ مہاجرین سے اچھا سلوک کرتے رہیں اور مہاجرین پر لازم ہے کہ وہ بھی محبت اور سلوک رکھیں۔ دیکھو! اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو ان کے بادشاہ اور حاکم بھی اچھے ہوتے ہیں اور برے طریقے اختیار کر لینے پر خداوند عالم برے بادشاہ اور ظالم حاکم ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

سوال: کیا حضور ﷺ اس کے بعد دوبارہ بھی تشریف لائے اور اس مرتبہ کیا کیا؟

جواب: ایک مرتبہ اور زیارت سے مشرف فرمایا، بیٹھ کر نماز پڑھائی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے برابر کچھ پیچھے کوٹھے ہوئے کھڑے تھے۔ حضور ﷺ تکبیر فرماتے تھے، ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کو بلند آواز سے پہنچا رہے تھے۔ نماز کے بعد بیٹھے بیٹھے کچھ نصیحتیں بھی فرمائیں، پھر تشریف لے گئے۔ افسوس یہ آخری نکلنا تھا۔

نصیحتوں کے سلسلہ میں ارشاد ہوا:

ابوبکر سب سے زیادہ میرے محسن ہیں۔ خدا کے سوا کسی کو خلیلؑ بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے، مگر اب وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔ اور ارشاد ہوا ابوبکر کے دروازہ کے سوا مسجد میں جتنے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں۔

سوال: کیا حضور ﷺ نے کوئی علاج بھی فرمایا اور وہ کیا تھا؟

جواب: کئی مرتبہ بخار کی تیزی میں غسل فرمایا، گویا پانی سے حضور ﷺ نے علاج کیا اور کچھ دوائیں بھی استعمال کرائی گئیں۔

سوال: حضور ﷺ نے عالم فانی سے کس روز اور کس وقت کوچ فرمایا؟

جواب: ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ (پیر) بوقت دوپہر۔

سوال: نزع کے وقت حضور ﷺ کا کیا شغل تھا؟

جواب: ایک پانی کا پیالہ حضور ﷺ کے پاس تھا جس میں حضور ﷺ دست مبارک ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور زبان مبارک پر یہ دعائی: اللھم أعنی علی سكرات الموت۔

اور پھر حضور ﷺ نے وفات سے کچھ پہلے مسواک فرمائی اور اللھم الرفیق الاعلیٰ خداوند! میں رفیقِ اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں، فرماتے ہوئے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

۱۔ خلیل ایسے محبوب کو کہا جاتا ہے کہ اس کی محبت میں کسی دوسرے کا تصور بھی نہ آ سکے۔ (زاد المعاد: ص ۱۶)

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کی اجازت ان کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم!

۳۔ اے اللہ موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔

۴۔ رفیق: ساتھی، اعلیٰ: بلند مراد خدا کے عزوجل۔

سوال: وفات کے وقت حضور ﷺ کی چار پائی پر کون بیٹھا تھا؟

جواب: صدیقہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

سوال: وفات کے بعد حضور ﷺ کے بدن مبارک پر کیا ڈھانپا گیا؟

جواب: جنبرہ یعنی یمنی چادر حاضرین نے ڈال دی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چادر فرشتوں نے ڈالی تھی۔

سوال: وفات کی خبر نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیا اثر کیا؟

جواب: بے خودی اور بدحواسی عام تھی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وفات کا یقین ہی نہ آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گونگے ہو گئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے ششدر رہ گئے گویا سکتہ ہو گیا۔

سوال: سب سے زیادہ کون کون بزرگ ضبط کیے ہوئے تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے چچا) اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

سوال: حضور ﷺ کی عمر کتنی ہوئی؟

جواب: ۶۳ سال۔

سوال: حضور ﷺ کی وفات کیسے کپڑوں میں ہوئی اور وہ کیا کیا تھے؟

جواب: دو چادروں میں جن میں سے ایک تہبند تھا، ایک چادر۔ یہ دونوں بہت موٹے کپڑے کے بنے ہوئے تھے، جاہ جاپیوند لگے ہوئے تھے۔

سوال: حضور ﷺ کو کس طرح غسل دیا گیا؟

جواب: کپڑے اتارے بغیر حضور ﷺ کے بدن مبارک پر پانی بہایا گیا اور کپڑوں کے اوپر سے ہی ہاتھ پھیر دیا گیا۔

سوال: حضور ﷺ کو غسل دینے والے کون کون لوگ تھے؟

جواب: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دو صاحبزادے فضل اور قثم، حضرت علی و اسامہ

اور حضرت کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہ۔

سوال: حضور ﷺ کے کفن میں کیا کیا کپڑے تھے اور کس رنگ کے؟

جواب: سفید رنگ کے تین کپڑے: تہبند، قمیص، چادر۔

سوال: یہ کہاں کے بنے ہوئے تھے؟

جواب: شہر حون کے جویمین کے علاقہ میں ہے۔

سوال: سلے ہوئے تھے یا بغیر سلے ہوئے؟

جواب: بغیر سلے، ویسے ہی پلیٹ دیئے گئے تھے۔

سوال: حضور ﷺ کی نماز کس نے پڑھائی؟

جواب: کسی نے نہیں، بلکہ تنہا تہا پڑھی گئی، امام کوئی نہیں بنا۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر کہاں بنی؟

جواب: حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ بنتی نبیؐ کے حجرے میں جہاں وفات ہوئی تھی۔

سوال: وہاں کیوں بنائی گئی تھی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی قاعدہ ہے کہ جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر بغلی ہے یا لحدی؟

جواب: بغلی۔

سوال: حضور ﷺ کی قبر میں کڑا کس چیز کا لگایا گیا؟

جواب: کچی اینٹوں کا۔

۱۔ دستیاب نسخوں میں سوال اسی طرح ہے۔ لیکن حقیقت میں بغلی اور لحدی ایک ہی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ عربی زبان میں اسے لحد کہتے ہیں اور اردو زبان میں اس کا نام بغلی ہے، البتہ بغلی کے مقابلے میں ایک صندوقی قبر ہوتی ہے، بغیر کسی مجبوری کے صندوقی قبر نہیں بنائی چاہیے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: "الحدلنا والشق لغیرنا" (طبقات: ۱/۵۵۳) لحد ہمارے لیے ہے اور صندوقی غیر مسلموں کے لیے۔ (از صحیح)

سوال: کتنی اینٹوں کا؟

جواب: نو (۹)

سوال: حضور ﷺ دفن کب ہوئے؟

جواب: وفات سے ڈیڑھ دن بعد منگل اور بدھ کی درمیانی شب۔

سوال: قبر مبارک زمین سے ملی ہوئی ہے یا اونچی اُٹھی ہوئی اور کوہان نما ہے یا کسی اور شکل کی؟

جواب: ایک بالشت اوپر اُٹھی ہوئی، کوہان نما۔

سوال: پختہ ہے یا خام؟

جواب: خام۔

سوال: حضور ﷺ کے ساتھ اس حجرے میں اور کون کون دفن ہیں؟

جواب: صدیقین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔

سوال: کچھ اور جگہ بھی باقی ہے یا نہیں؟

جواب: ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

سوال: اس میں کون دفن ہوں گے؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب زندہ ہیں، خدا کے حکم سے آسمان پر اُٹھالیے گئے ہیں

اور خداوندِ عالم کے حکم سے دجال کے زمانہ میں زمین پر آئیں گے اور پھر وفات پا کر اس خالی جگہ میں دفن ہوں گے۔

تمت بالخیر

حصہ سوم

ہمارے پیارے آقا کا حلیہ شریف

سوال: سرکارِ دو عالم کا حلیہ شریف کیا تھا؟

جواب: ہماری روحوں کے بادشاہ کا:

قد مبارک: دیکھنے میں درمیانی تھا، نہایت مناسب، مگر یہ معجزہ تھا کہ جب چند آدمیوں کے ساتھ چلتے تو سب سے اونچے معلوم ہوتے تھے۔

سر مبارک: کلاں و بزرگ، سرداری کا تاج، عقل و تدبیر کا پیکر۔

بدن مبارک: گٹھا ہوا، خوب صورت، سجاوٹ کے ساتھ بھرا ہوا، خوب صورتی گھپی ہوئی، جتنا کوئی غور کرتا خوب صورتی زیادہ معلوم ہوتی تھی، بدن مبارک پر بال بہت کم، چمک زیادہ، سر مبارک کے بال سیاہ چمک دار کسی قدر گھونگریا لے، بالوں میں تیل یا مشک جیسی چیزوں کا بھی استعمال فرماتے تھے، کچھ عمر کی رسیدگی، کچھ خوشبو وغیرہ کے استعمال سے بالوں میں کسی قدر ہموار پن سا آ گیا تھا۔

ریش مبارک: گھنی اور خوب صورتی کے ساتھ بھرپور، ریش اور سر مبارک میں گنتی کے کچھ بال سفید بھی ہو گئے تھے۔ بعضوں نے تعداد بھی بتائی ہے کہ ریش مبارک اور سر میں ۲۰ بال سفید تھے۔

مقدس پیشانی: کشادہ اور روشن گویا آفتاب کا کنارہ بلکہ حسن و جمال کا سجدہ گاہ۔

بھونیس: گنجان دراز اور باریک، ان کی نازک خمیدگی قوس قزح کے لیے باعثِ صدر شک جن کے بیچ میں کشادگی یعنی اقبال اور برکتوں کی کھلی دلیل، ان دونوں کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی اور پھڑکتی تھی۔

مبارک آنکھیں: بڑی بڑی تھیں، موتی پُور، جن کے سرخ ڈورے جمال کے ساتھ جلال کی شان بھی دو بالا کرتے تھے، تپتی سیاہ، ٹھڑا گویا نور کے آئینے پر سیاہ مائل کی بُندی کی یا موتی کی آب دار سطح پر رُخ خور کا کالا تیل، پلکیں گنجان اور سیاہ اور تلوار جیسے خم کے ساتھ دراز۔

رنگ: سفید، سرخی گھپی ہوئی، جس میں رونق اور چمک حسن کو دو بالا کر دینے والی۔

رخسارے مبارک: نرم سرخی مائل، گویا چاند پر گلاب کی سرخی، ہموار اور ہلکے، نہ گوشت لٹکے ہوئے۔

مقدس ناک: بلندی مائل مگر زیادہ اونچی نہ تھی کہ بدنما معلوم ہوتی، اس پر چمک اور نور کی عجیب بلندی تھی کہ پہلے پہل دیکھنے والا اونچی سمجھتا مگر غور سے معلوم ہوتا کہ نور اور چمک کے باعث بلند معلوم ہوتی ہے۔ بانسا خوب صورتی کے ساتھ اوپر اٹھا ہوا۔

دہن مبارک: مناسب طور پر کشادہ، پاکیزگی اور فصاحت کا دیباچہ۔

دندان مبارک: باریک، آب دار اور روشن چمک دار، سامنے کے دانت ایک دوسرے سے کسی قدر چھیدے۔ مسکراہٹ کے وقت ایسا معلوم ہوتا کہ اولوں کی لڑی سے نازک نقاب ہٹ گیا، گفتگو کے وقت معلوم ہوتا کہ تاروں کی کرنیں دندان مبارک سے پھوٹ پھوٹ کر شوخیاں کر رہی ہیں۔

شان دار چہرہ انور: چودھویں رات کا چاند نہیں، چاند بھی اس سے شرمندہ۔ خدا کی قسم! چاند سے بہت پیارا کتابی تھا، مگر کسی قدر گولائی لیے ہوئے و جاہت سے بھرا ہوا۔ خاموشی کے وقت ہیبت اور عظمت نکلتی، دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا۔ گفتگو کے وقت موتی برستے، پیاری بول چال دل میں جگہ کر لیتی، محبت کا بیج بودیتی، خیال ہوتا موتیوں کی بارش ہو رہی ہے۔

یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانا بلکہ دونوں کے درمیان تھا۔

پاکیزہ گردن: سانچے میں ڈھلی ہوئی ایسی صاف کہ مرمر کی صفائی اس کے سامنے ہیچ، ایسی سپید کہ چاندی کی خوب صورت سفیدی اس سے شرمندہ۔

دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم نبوت یعنی نبوت کی مہر۔

خزانہ معرفت یعنی سینہ مبارک: چوڑا اور بھرا ہوا۔

شکم مبارک: سینہ کے برابر، نہ آگے بڑھا ہوا۔

سینہ مبارک کے بالائی حصہ پر کسی قدر بال تھے، باقی سینہ اور شکم بالوں سے صاف، صرف سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی باریک سی ایک دھاری تھی۔

شانے: بھاری پُر گوشت اور ایک دوسرے سے فاصلہ پر۔

کلائی: دراز اور چوڑی جیسے شیر کی بلکہ اس سے بھی قوی اور مضبوط۔

ہتھیلیاں: گداز پُر گوشت، چوڑی، ایسی نرم کہ ریشم اور حریر بھی ان کے سامنے مات، ایسی خوشبو کہ عطر شرمندہ۔

اعضاء کے جوڑ اور ان کی ہڈیاں: بڑی چوڑی مضبوط۔

پائے مبارک: پُر گوشت زیبائش کے ساتھ، ہموار، ایسے صاف کہ پانی کے قطرے ان پر ٹھہرنے سے لرزاں، ایسے ستھرے کہ بلور ان پر سوجان سے قربان، جو وقت اور تیزی سے اٹھتے اور کشادگی، پھرتی و متانت کے ساتھ رکھے جاتے تھے۔

ایڑی مبارک: ایڑی مبارک پُر گوشت کم۔

اٹھلیاں: مناسبت کے ساتھ درازی کی خوب صورتی سے آراستہ، پسندیدگی کا مظہر۔

پسینہ اور لعاب: پسینہ اور لعاب کی خوشبو مشک و عنبر کی خوشبو کو بھی مات کرتی تھی۔ لعاب مبارک عاشقانِ محمدی اپنی ہتھیلیوں پر لیتے اور پھر گویا مشک کی لوٹ ہوتی جس کو جھپٹ جھپٹ کر

لوگ چہرے اور سر پر ملتے۔ پسینہ مبارک کا کوئی قطرہ مل جاتا تو عطر کی طرح رکھتے۔
بول ویراز: بول ویراز کو زمین نکل جاتی تھی۔ غلطی سے ایک شخص نے حضور ﷺ کا بول پی لیا تھا جو شب کے وقت پیالہ میں کیا گیا تھا اور ابھی زمین پر نہ پڑا تھا، ہمیشہ اس شخص کے بدن سے خوشبو آتی رہی۔

رفار مبارک: تیز ہوتی، قدم مبارک کسی قدر کشادہ، زمین پر آہستہ پڑتا مگر اس کا اٹھنا قوت کے ساتھ ہوتا، نہ متکبروں کی سی اکثر نہ پوستیوں جیسی بے جان چال۔ نگاہ نیچی رہتی، ایسا معلوم ہوتا گویا ڈھال میں اتر رہے ہیں، یعنی کسی قدر آگے کوچھکے ہوئے۔

مہر نبوت

سوال: مہر نبوت کہاں تھی؟

جواب: دونوں شانوں کے بیچ میں بائیں طرف کو سخت ہڈی کے قریب۔

سوال: اس کی شکل کیا تھی؟

جواب: منہ کی طرح خوب صورتی کے ساتھ گوشت مبارک ابھرا ہوا تھا۔ جو بدن کی عام رنگت سے کسی قدر زیادہ سرخی لیے ہوئے تھا، اس کی شکل کچھ بندھی مٹھی کے مشابہ تھی۔ چاروں طرف بڑے بڑے تل تھے، جو بڑائی کی وجہ سے مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے اور گردا گرد بال تھے۔

سوال: مہر نبوت کس قدر بڑی تھی؟

جواب: کبوتر کے بیضہ یا تیج بند کی گھنڈی کے برابر۔

حضور ﷺ کے پیدائشی اوصاف

سوال: حضور ﷺ کے پیدائشی اور فطری اوصاف بیان کرو؟

جواب: خداوندِ عالم نے حضور ﷺ کو تمام اولین اور آخرین کا علم عطا فرمایا تھا۔ ذکاوت، ذہانت، تدبیر، عقل، سیاست، ملکی اور خانگی انتظام حضور ﷺ کی تعلیمات سے اور آپ کے واقعاتِ زندگی سے ظاہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ ہر ایک وصف کی انتہا نہ تھی، کیوں نہ ہو حضور ﷺ کا ہر ایک وصف معجزہ تھا۔ بہادری اور دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ صحابہ کا بیان ہے کہ جب لڑائی سختی پر ہوتی تو ہم حضور ﷺ کی پناہ لیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ دشمن کے بہت زیادہ قریب رہتے تھے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا قریب نہ رہتا، غور سے دیکھا جائے تو حنین کی جنگ میں تنہا حضور ﷺ نے فتح حاصل کی تھی، باوجودیکہ ہزاروں سے مقابلہ تھا۔

ایک رات مدینہ والوں کو حملہ کا خطرہ تھا، لوگ فکر مند تھے۔ حضور ﷺ تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر اطمینان سے تمام مدینہ کا چکر کاٹ آئے اور فرمایا کہ آرام کرو، کوئی خطرہ نہیں۔ تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ اُحد اور حنین جیسے موقعوں پر حضور ﷺ کے قدم مبارک میں کوئی حرکت تو کیا پیدا ہوتی، اور استقلال پیدا ہو گیا تھا۔

خیالات بلند، ارادہ مضبوط، ہمت عالی، تمام کاموں میں استقلال، تمام معمولوں میں پائیداری، اوقات کی پوری پابندی، کسی چیز کی محبت یا دنیا کا کوئی نقصان حضور ﷺ کے ارادہ میں فرق نہ پیدا کر سکتا تھا۔

سچائی اور امانت داری: کافروں میں بھی اس قدر مشہور تھی کہ صادق اور امین لقب رکھ رکھا تھا۔ ہجرت کے وقت قتل کے منصوبے ہو رہے تھے، مگر اس خونی دشمنی کے باوجود امانتیں حضور ﷺ کے پاس ہی رکھی تھیں۔

بہادر شخص: رحم دل اور سنجیدہ نہیں ہوا کرتا۔ ایک کے لیے دل کی سختی درکار ہے، دوسرے کے لیے نرمی لازمی، ایک گرمی کو چاہتا ہے دوسرا ٹھنڈک کو۔ مگر یہ معجزہ تھا کہ دونوں وصف برابر کے تھے۔ یہاں آگ اور پانی دونوں اکٹھے ہو رہے تھے۔

سخاوت: گویا رگ اور پٹھوں میں بھری ہوئی تھی، کسی چیز کے ہوتے ہوئے محال تھا کہ زبان مبارک سے ”نا“ نکل جائے۔ کیا مجال کہ بال بچوں کی بھوک پیاس سخاوت میں رکاوٹ پیدا کر دے۔ اس دریا ئے رحم و سخا سے مسلم، کافر بلکہ انسان، حیوان، برابر کی سیرابی حاصل کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ جب تک درہم یا دینار مکان میں رہا اور کوئی مستحق نہ ملا جس کو دیا جائے تو حضور ﷺ دولت خانہ میں تشریف نہ لے گئے۔

تواضع اور عاجزی کے حضور ﷺ پیکر تھے، حاتم طائی کے بیٹے عدی صرف تواضع ہی کو دیکھ کر سچائی کے قائل ہو گئے تھے۔

یہود کے بہت بڑے عالم حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بے تکلفی اور سادگی ہی دیکھ کر حلقہ بگوش ہوئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ یہ چہرہ جھوٹا نہیں ہے۔ تمام عظمت اور بزرگی کے باوجود حیا اور شرم کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ تھی۔ عفت اور پاک دامنی، زندگی کا جز تھا۔ یاد ہوگا لڑکپن میں جب ایک مرتبہ ستر کھل گیا تھا تو حضور ﷺ بے ہوش ہو گئے تھے۔

۱۔ حضور ﷺ کی اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی خود میستی تھیں، پانی خود لاتیں، جھاڑو خود دیتی تھیں، ہاتھوں میں چکی سے گٹے پڑ گئے، مبارک اور نازک مونڈھے مشکیزہ سے چھل گئے، نورانی لباس گرد سے بھر گیا۔ غلام کی درخواست کی، فرمایا: فلاں شہید کے یتیم بچوں سے اس مرتبہ وعدہ کر چکا ہوں اس دفعہ تو وہ پورا ہوگا۔ آئندہ تمہیں دے دوں گا۔ مگر بہترین غلام وہ ہے جو آخرت میں خدمت کرے۔ تم ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ، الْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ تینتیس تینتیس بار پڑھ لیا کرو، یہ آخرت کے خادم ہیں۔ اس قسم کے واقعات بہت سے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کا ذکر کیا۔

حضور ﷺ کے اخلاق اور عادتیں

سوال: حضور ﷺ کی عام عادتیں اور اخلاق کیا تھے؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ بیان کرنا ناممکن۔ حد ہوگئی کہ زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یعنی پاک زندگی کی سمجھ دار، راز دار بھی اس سوال کے جواب میں اس کے سوا کچھ جواب نہ دے سکیں: ”حضور ﷺ کا خلق مبارک قرآن پاک تھا۔“
مطلب یہ ہے کہ آپ کے اخلاق قرآن پاک یعنی خدا کے احکام اور اس کی رضا کے عملی نمونہ تھے۔

لڑائی، صلح، دشمنی، دوستی، آرام، عبادت، خوراک، پوشاک، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، غرض تمام موقعوں پر حضور ﷺ کا وہی طرز ہوتا جو خدا کی مرضی ہوتی۔
جو لوگ برسوں اور مدتوں حضور ﷺ کی خدمت میں رہے ان کا بیان ہے کہ حضور ﷺ اپنی وجہ سے کبھی کسی پر خفا نہ ہوتے، اپنے نقصان کا کبھی کسی سے بدلہ نہ لیتے۔ ہاں! اگر شریعت کا کوئی حق ضائع ہوتا تو پھر غصہ کی کوئی انتہا نہ تھی، اس وقت آپ کی سزا سے نہ کوئی سفارش بچا سکتی نہ کسی کی محبت۔
وسعت اور عہدگی اخلاق ہی تھی جس کو نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جاتا اور بڑے بڑے کٹر کافر اور جانی دشمن گردن جھکا دیتے اور حضور ﷺ کی محبت کے متوالے بن جاتے۔

گستاخی، بے ادبی، تکلیف و ایذا کا بدلہ محال تھا کہ معافی کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔
یا خدا سے کوئی وقت خالی نہ تھا۔ سونے کے وقت آنکھیں سوتیں مگر دل یا خدا میں جاگتا رہتا، ایک ایک مجلس میں ستر اور سو مرتبہ استغفار تو صحابہ بن لیتے۔

۱۔ یہاں تک ارشاد ہوا: اگر میری بیٹی فاطمہ (خدا خواست) چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹوں گا۔

خدمتِ خلق: پاکیزہ زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

ہمدردیِ خلق: ایک دوسرا سانس تھا جس پر زندگی کا گویا مدار تھا۔ زندگی انتہائی خطرہ میں ہوتی تب بھی ہمدردیِ مخلوق کا دلولہ تمام خطروں سے آزاد رہتا بلکہ پورے جوش پر ہوتا۔ اُحد کی لڑائی میں چہرہ مبارک میں دو کڑیاں چھبی ہوئی ہیں۔ خون کے چشمے چہرہ مبارک کی رگوں سے ابل رہے ہیں، مگر مخلوقات کا سب سے بڑا ہمدرد ایک ایک قطرہ کی حفاظت کر رہا ہے کہ اگر زمین پر گر گیا تو قبر الہی جوش میں آجائے گا۔ اس کا افسوس نہیں کہ اتنی بڑی گستاخی، اتنی بڑی درندگی اور بے دردی کیوں کی گئی۔ افسوس اس کا ہے کہ اس قوم کی فلاح و ترقی میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو جائے۔ بار بار یہ ارشاد زبان مبارک پر ہے: ہائے! وہ قوم فلاح کیوں کر پائے گی، جس نے اپنے سب سے بڑے خیر خواہ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا؟

تواضع اور انکساری: حد درجہ کی تھی، غریب سے غریب بھی اگر دعوت کرتا تو بلا تکلف منظور فرمائی جاتی۔ اور پھر شاہِ دو جہاں کو ایک غریب کے جھونپڑے پر جانے میں کوئی عذر نہ ہوتا، معمولی سے معمولی شخص جہاں چاہتا حضور ﷺ سے گفتگو کر سکتا تھا، نہ دروازہ پر کوئی دربان تھا نہ راستہ میں کوچوان کی ہٹو بچو، نہ ساتھیوں کے ساتھ چلنے میں کوئی نرالی شان ہوتی، نہ بیٹھنے میں کوئی امتیازی شان، راحت اور آرام میں سب سے کم حصہ ہوتا، مگر مشقت اور جفاکشی میں سب کے برابر بلکہ زیادہ، جوتے یا پھٹے ہوئے کپڑے خودی لیتے۔ دراز گوش پر سوار ہونے میں بھی کوئی تکبر نہ ہوتا۔ ارشاد ہوا: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی اصل مٹی ہے۔ جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تو حضور ﷺ آسان کو پسند فرماتے، ہاں! اگر اس میں بدسلوکی یا نا انصافی ہوتی تو آپ اس سے کوسوں دور رہتے۔

۱۔ طائف میں جب جب اطہر کواٹھوں اور پتھروں کے حلقوں سے خون سے رنگ دیا گیا، ملک البیال کہتا ہے: بد دعا کیجیے۔ مگر ہمدردیِ خلق کا دلولہ پکارتا ہے: نہیں، ممکن ہے ان کی نسل میں کوئی بچہ پیدا ہو جو صداقت کو تسلیم کر لے۔ اُحد میں سب کچھ ہوتا ہے، پے در پے حملے ہو رہے ہیں کہ مخلوق کے سب سے بڑے ہمدرد کو مخلوق سے جدا کر دیا جائے، مگر زبان پر یہی ہے: ”اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما، وہ مجھے جانتی نہیں۔“

کم گوئی: حضور ﷺ کی طبیعت تھی، اگر فرماتے تو مفید بات۔ دوسروں کو بھی تعلیم ہوتی کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو لازم ہے وہ خاموش رہے اور بولے تو اچھی بات۔ ارشاد ہوا: مسلمان کی خوبی اس میں ہے کہ بیکار بات اس سے سرزد نہ ہو۔

رنج اور خوشی: ہر حالت میں خدا کی طرف توجہ ہوتی۔ اگر کوئی ناگوار بات پیش آتی تو فرماتے: **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ يَا الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ** خوشی کے موقع پر فرمایا جاتا: **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ**۔

حضور ﷺ کا غصہ اور خوشی دونوں چہرہ مبارک سے ظاہر ہو جاتے۔ جب خفا ہوتے تو منہ پھیر لیتے اور خوشی کے وقت آنکھ نیچی ہو جاتی۔ اترانے کی بجائے عاجزی ظاہر ہوتی، حضور ﷺ کے دامن رحمت میں جانور بھی اسی طرح پناہ لیتے جیسے انسان، اور کافر بھی اس سایہ میں ویسے ہی آرام پاتے جیسے مسلمان۔

ارشاد ہوا: ”مومن وہ ہے جس سے آدم کی کسی بھی اولاد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔“

جانور پر مہربانی: بلی آتی تو اس کے پانی کا برتن اس وقت تک جھکائے رکھا جاتا جب تک وہ سیراب نہ ہو جائے۔ فرمایا: ایک بدکار عورت کی اسی میں نجات ہو گئی کہ پیاس سے سبکتے ہوئے کتے کو پانی پلا دیا تھا جس سے وہ زندہ ہو گیا۔ ایک عورت اسی باعث دوزخ میں جل رہی ہے کہ بلی کو باندھ لیا تھا مگر کچھ کھانے کو نہ دیا یہاں تک کہ بلی مر گئی۔

سوار ہونے والوں کو وصیت ہوتی کہ ساریوں پر سختی نہ کریں۔ ذبح کرنے والوں کو حکم ہوتا کہ ذبح میں تکلیف دہ طریقہ اختیار نہ کریں۔ گھوڑے والوں کو نصیحت ہوتی اپنے گھوڑوں کے منہ کو چادر یا آستین سے صاف کر لیا کریں۔ اسی عام رحم و کرم کا بھروسہ تھا کہ جانور بھی اپنی شکایتیں حضور ﷺ کے دربار میں پیش کرتے تھے۔

سوال: عبادت میں حضور ﷺ کا طرز کیا تھا؟

جواب: حضور ﷺ کو تمام کاموں میں درمیانی رفتار پسند تھی جو ہمیشہ نبھائی جاسکے۔ فرضوں اور سنتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل رکعتوں کے پڑھنے کا عموماً تذکرہ احادیث میں ہے: (۱) اشراق دو، چار یا آٹھ رکعت (۲) چاشت کے وقت (نصف النہار سے کچھ پہلے) دو یا چار یا آٹھ رکعت (۳) عصر سے پہلے چار رکعت (۴) مغرب کے بعد صلوٰۃ الاوابین چھ رکعت سے ۲۰ رکعت تک (۵) مسجد میں داخلہ کے وقت ۲ رکعت تحیۃ المسجد (۶) وضو کے بعد ۲ رکعت تحیۃ الوضو (۷) تہجد ۱۲ رکعت تک۔

سفر میں چار رکعت فرض کی بجائے دو رکعت پڑھتے تھے۔ نوافل عموماً فرضوں کی شان سے نہ پڑھتے تھے۔ ایسا بھی ہوا کہ سواری پر ہی نفلیں پڑھ لیں۔ نماز حضور ﷺ کی طویل ہوتی تھی، خصوصاً جب کہ تنہا پڑھتے تھے۔ قیام اتنا طویل ہوتا کہ پیروں میں ورم آجاتا تھا۔ سجدہ میں اتنی دیر پڑے رہتے کہ خیال کرنے والے کو وہم ہونے لگتا۔ قراءت میں ایک ایک حرف کر کے صحیح صحیح طرز سے جدا جدا پڑھتے، نفلیں بیٹھ کر بھی پڑھ لیتے تھے۔ رات کے تین حصے فرما لیتے:

(۱) پہلا حصہ مغرب اور عشاء وغیرہ کی نماز کا۔ (۲) دوسرا حصہ سونے کا۔ (۳) تیسرا حصہ تہجد کی نماز کا۔

فرض روزوں کے علاوہ عموماً پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ نیز مہینے کے پہلے یا بیچ کے یا آخر کے تین دنوں میں روزہ رکھتے، ان کے علاوہ ۹ ربیع الثانی، ۱۰ الحجہ، ۱۱ محرم، ۱۲ شعبان کا روزہ بھی رکھتے اور بلا کسی قید کے بھی روزہ رکھ لیتے۔ نیز ایسا بھی ہوا کہ جب معلوم ہوا گھر میں کچھ نہیں تو روزہ رکھ لیا۔ حضور ﷺ دو دو تین تین دن کا روزہ بھی رکھ لیتے۔ جس کو ”صوم وصال“ کہا جاتا ہے، جو صرف حضور ﷺ کے

لیے خاص طور پر جائز تھا اور کسی کے لیے نہیں۔

سوال: ملنے جلنے کے متعلق حضور ﷺ کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: ملنے جلنے کا کچھ ایسا طریقہ تھا کہ ہر شخص یہی خیال کرتا کہ رسول اللہ ﷺ کی سب

سے زیادہ عنایت میرے ساتھ ہے۔ جس سے ملتے خندہ پیشانی کے ساتھ تبسم اور تازہ روی حضور اکرم ﷺ کی عام عادت تھی جس کی نظیر نہ ملتی تھی۔

اپنے ساتھیوں کی بہت عزت فرماتے، ان کے لیے تکلیفیں برداشت کرتے

تھے۔ شرعی وجہ کے بدون (بغیر) محال تھا کہ کوئی ایسی بات زبان مبارک سے ادا

ہو جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ جب تک ملنے والا خود نہ اٹھتا حضور ﷺ نہ اٹھتے

مگر بہ مجبوری، جس کی معذرت فرما لیتے۔ مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے،

لوگوں کے لیے جگہ چھوڑ دیا کرتے۔ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی جدا شان نہ ہوتی۔ زانو

مبارک ہم نشینوں کے برابر رہتے، نہ آگے جدا۔ مجلس میں جہاں جگہ ملتی وہی بیٹھ

جاتے، صدر مقام کی کبھی خواہش نہ کرتے۔

خاص موقعوں پر ملاقات کے لیے عمدہ لباس بھی زیب تن فرما لیتے تھے، بال وغیرہ

بھی درست فرما لیتے، اگر کوئی حضور ﷺ کو دفعۃً دیکھتا تو بے شک اس پر رعب

چھا جاتا۔ مگر جوں جوں ملتا بات چیت ہوتی حضور ﷺ کا دیوانہ ہو جاتا۔

حضور ﷺ خوش طبعی بھی فرماتے تھے، مگر جھوٹ بات کبھی زبان پر نہ آتی۔

حضور ﷺ کے ساتھی آپس میں پہلے زمانہ کی باتیں کرتے۔ آپ خاموش بیٹھے

سنا کرتے۔ وہ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی مسکرا دیتے اور جب حضور ﷺ کوئی

بات فرماتے تو سب خاموش ہو کر سننے لگتے۔ جب حضور ﷺ کسی سے ملتے پہلے

ہی سلام کر لیتے۔ اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ خیریت دریافت فرماتے۔ اگر کوئی بیمار

ہو جاتا اس کی مزاج پرسی کے لیے مکان پر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی سفر میں

جاتا تو اس کے لیے دعا فرماتے رہتے، اگر معلوم ہوتا کوئی رنجیدہ ہے تو اس کی دل داری فرماتے۔ اگر کسی سے کوئی خطا ہو جاتی تو اس کا عذر قبول فرماتے۔ حضور ﷺ کے دربار میں امیر و غریب کمزور و قوی سب برابر تھے۔

سوال: حضور ﷺ اپنے اوقات کی کس طرح تقسیم فرماتے تھے یعنی روزانہ کا عام پروگرام کیا تھا؟

جواب: مجلس مبارک کی دو صورتیں تھیں جن پر حضور ﷺ کا وقت تقسیم ہوتا تھا:

(۱) مکان کے اندر (۲) مکان کے باہر

پھر مکان کے اندر کے وقت کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے:

(۱) عبادت کے لیے (۲) گھر والوں کے کام کاج، بات چیت، ہنسنے بولنے کے لیے (۳) آرام کے لیے۔

پھر آرام کے وقت میں سے بھی ایک حصہ اُمت کے کاموں کے لیے وقف کر دیتے، جس کی صورت یہ تھی کہ حضور ﷺ خواص کو باریابی کا موقع دیتے اور پھر خواص کے ذریعہ سے عوام تک فیوض اور تعلیمات پہنچاتے۔ یہ خواص وہ ہوتے جن سے دینی یا دنیاوی ضرورتوں میں سے کسی چیز کو مخفی نہ رکھا جاتا۔

سوال: حضور ﷺ کی بارگاہ میں خصوصیت کا مدار کیا تھا؟

جواب: دینی فضیلت، مخلوق کی خدمت اور غم گساری۔

اندرون خانہ

سوال: گھر والوں کے لیے جو وقت مخصوص ہوتا اس میں حضور ﷺ کس شان سے رہتے تھے؟

جواب: جیسے عام گھر والے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں، پہلے زمانہ کے فقے بھی

بیان فرماتے، دلچسپی کی باتیں بھی ہوتیں، ہنسی مذاق اور کبھی کبھی شکر رنجی وغیرہ بھی ہوتی، گھر کے کام میں بھی حصہ لیتے، بکری کا دودھ بھی دودھ لیتے۔ اپنا کام خود ہی کرتے۔

حضور ﷺ اپنی بیویوں میں سے روزانہ رات کو نمبر وار ایک ایک کے یہاں رہتے۔ باقی دن میں ایک مرتبہ عموماً عصر کے بعد ہر ایک کے مکان پر جاتے اور مغرب کے بعد سب اس مکان میں آتیں جن کے یہاں اُس رات کو رہنے کا نمبر ہوتا۔

دربارِ خاص

سوال: آرام کے وقت میں سے جو حصہ اُمت کے لیے نکالا جاتا تھا اس کی کیا خصوصیات تھیں؟

جواب: (۱) اہل فضل یعنی زیادہ علم و عمل والوں کو حاضری کی اجازت میں اوّل رکھا جاتا۔ (۲) اُس وقت کو ان کی دینی فضیلت کے لحاظ سے اُن پر تقسیم فرمایا جاتا۔ (۳) ایک یا دو یا تین، غرض جتنی بھی ضرورتیں کوئی لے کر آتا حضور ﷺ ان کو پوری فرماتے۔ (۴) اُن خواص کو ایسے کاموں میں مشغول فرماتے جو خود اُن کے اور تمام اُمت کی اصلاح کے لیے مفید ہوں۔ (۵) ان کو یہ ہدایت ہوتی کہ وہ ان باتوں کو غائب لوگوں تک پہنچا دیں۔ (۶) نیز ہدایت ہوتی کہ جو لوگ کسی وجہ سے مثلاً دوری یا شرم یا رعب یا کسی عذر کے باعث اپنی ضرورتوں کا اظہار مجھ پر نہیں کر سکتے تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ (۷) صرف ضروری باتیں ہوتیں۔ (۸) اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہی صحابہ جو طالب بن کر آتے علومِ نبوت کے موتیوں سے دامن بھر کر واپس ہوتے اور ہدایت کے

۱۔ یعنی دینی مثلاً احکام یا مسائل کی تحقیق۔

راہبر بن کر مجلس سے باہر نکلتے۔

دربارِ عام

سوال: دوسرا حصہ یعنی باہر کی نشست اور عام مجلس کی کیا کیا خصوصیتیں اور کیا شان تھی؟

جواب: (۱) صبر، امانت، حلم، حیا اس نورانی مجلس کے روشن تارے ہوتے تھے۔
 (۲) صرف اہل ضرورت کا تذکرہ ہوتا۔ ضروری باتیں ہی خوشی سے سنی جاتیں۔
 (۳) وہ باتیں ہوتیں جن میں ثواب کی توقع ہو، سنجیدگی اور متانت مجلسِ پاک کی روشنی ہوتی، سکون اس کافرش اور تہذیب سا سبان۔ نہ شور ہوتا، نہ غوغا، نہ جھگڑا، نہ بیہودہ مذاق، نہ کسی کی آبروریزی، نہ توہین۔ تہذیب کے لحاظ سے خود حضور ﷺ بھی پیر تک نہ پھیلاتے۔ (۴) وقت کی پوری قدر کی جاتی۔ (۵) آنے والے دینی باتوں ہی کے طالب بن کر آتے اور ہدایت اور خیر کے راستوں کے روشن چراغ بن کر جاتے۔ (۶) ذاتِ رسالت کی طرف سے آنے والوں کی دلداری ہوتی، ان کو مانوس کیا جاتا۔ (۷) ہر قوم کے شریف سربراہ اور معزز لوگوں کی تعظیم کی جاتی۔ (۸) اگر موقع ہوتا تو دربارِ رسالت سے بھی اسی معزز شخص کو اس کی قوم کا سردار بنایا جاتا۔ (۹) لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرایا جاتا، نقصان وہ باتوں سے بچنے کی تعلیم فرمائی جاتی۔ (۱۰) کوئی بات ایسی نہ کی جاتی جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ (۱۱) خندہ پیشانی، خوش خلقی، دلجوئی سے کوئی شخص بھی محروم نہ رکھا جاتا۔ (۱۲) دوستوں کی خبر گیری ہوتی۔ (۱۳) آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر اصلاح ہوتی۔ (۱۴) اچھی بات کی تعریف فرما کر تقویت کی جاتی۔ (۱۵) بری بات کی برائی بتا کر اس سے بچنے کی ہدایت کی جاتی۔ (۱۶) ہر بات اور ہر عمل میں درمیانی رفتار سے کام لیا جاتا۔ (۱۷) لوگوں کی اصلاح کا پورا خیال

رکھا جاتا، کسی قسم کی کوئی غفلت نہ ہوتی۔ (۱۸) ہر کام کیلئے مناسب انتظام ہوتا۔ (۱۹) حق بات میں نہ کوتاہی ہوتی نہ حد سے زیادتی۔ (۲۰) جو باتیں چھپانے کی ہوتی وہ امانت سمجھی جاتیں۔ (۲۱) حاجت والوں اور مسافروں کی پوری خبر گیری کی جاتی۔ (۲۲) محبت کی چاندنی پھیلی ہوئی ہوتی۔ ہر شخص حضور ﷺ کو اپنا باپ سمجھتا اور تمام مخلوق اولاد ہوتی جو حقوق میں مساوی ہوتی۔ (۲۳) ہر شخص کی طرف برابر توجہ کی جاتی۔ سب کے سب آپس میں برابر شمار کیے جاتے۔ (۲۴) حضور ﷺ کے بیٹھنے کا طرز بھی ایسا ہوتا کہ اجنبی شخص نہیں پہچان سکتا تھا کہ حضور ﷺ کون سے ہیں۔ (۲۵) حضور ﷺ کو یہ پسند نہ تھا کہ استقبال کے لیے اٹھا جائے یا حضور ﷺ بیٹھے ہوں اور لوگ کھڑے رہیں۔ (۲۶) البتہ بڑوں کی تعظیم ہوتی، چھوٹوں پر مہربانی۔ (۲۷) افضل وہی مانا جاتا جس کی خیر خواہی عام ہو، بڑا وہی ہوتا جو مخلوق کی نمکساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ (۲۸) کسی کی بات نہ کاٹی جاتی۔ (۲۹) پہلے بولنے والے کی جب تک بات پوری نہ ہو کسی کو بولنے کا حق نہ ملتا، سب خاموشی سے سنتے۔ (۳۰) جب حضور ﷺ کچھ ارشاد فرماتے تو حاضرین پر ایسی خاموشی چھا جاتی گویا بے جان قالب ہیں۔ (۳۱) حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ

ساتھیوں کے ساتھ مساوات کے سلسلہ میں یہ دو واقعے ضرور محفوظ رہنے چاہئیں جو ”سرور المحروان“ سے مختصر طور پر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ ایک مرتبہ حضور ﷺ سفر میں تھے، بکری ذبح کرنے کی رائے ہوئی، کسی نے کہا: میں ذبح کروں گا، کسی نے کہا: میں کھال سمجھتیوں گا، غرض اسی طرح علیحدہ علیحدہ کام تقسیم کر لیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں لکڑیاں چن کر لاؤں گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم خادم کس لیے ہیں؟ مساوات اسلام کے معلم نے فرمایا: میں نہیں چاہتا کسی سے بڑھ کر رہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے سے ناراض رہتا ہے جو اپنے ساتھیوں پر بڑائی جتلائے۔ پھر سب اٹھے، ہر ایک نے اپنا اپنا کام کیا اور حضور ﷺ نے لکڑیاں چنیں۔ ایک دوسرے سفر کا واقعہ ہے کہ نماز کے لیے قافلہ ٹھہرا۔ لوگ اونٹوں سے اترے نماز کی تیاری ہونے لگی۔ ایک دم حضور ﷺ نے اپنے اونٹ کی طرف چلے، عرض کیا گیا: ”حضرت کہاں؟“ فرمایا: اپنے اونٹ کو باندھ آؤں۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم حاضر ہیں، باندھ دیتے ہیں۔ فرمایا: نہیں کسی کو دوسرے سے مدد مانگنا جائز نہیں۔ مسواک کی لکڑی بھی دوسرے سے نہ مانگتے۔

فرماتی ہیں: حضور ﷺ تین چیزوں سے ہمیشہ محفوظ اور معصوم رہے: (۱) جھگڑا
(۲) تکبر (۳) غیر مفید باتیں۔ اور تین چیزوں سے ہمیشہ عام لوگوں کو محفوظ رکھا:
(۱) مذمت (۲) عیب شماری (۳) مخفی باتوں کا اظہار۔ (۲۲) اٹھنا بیٹھنا۔ غرض
تمام باتیں اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتیں۔

حضور ﷺ کا کلام اور طرز گفتگو

سوال: کلام اور گفتگو کرنے میں حضور ﷺ کی کیا کیا خصوصیتیں اور کیا عادتیں تھیں؟
طرز گفتگو کیا تھا؟

جواب: حضور ﷺ کے زمانے میں عرب کی زبان فصاحت، بلاغت، خوبی اور عمدگی کی
سب سے اونچی سیڑھی پر تھی۔ اعلیٰ شاعروں اور جادو بیان مقررہوں کی کمی نہ تھی۔
عوام کی قدر دانی کی یہ حالت تھی کہ عمدہ شعروں اور قصیدوں کو سجدہ کرتے، یہ
شاعروں کے متعلق عقیدہ ہو گیا تھا کہ اُن کے جن تابع ہوتے ہیں، وہی ان کو شعر
سکھاتے ہیں۔ شاعروں کی بہت قدر کرتے۔ مگر اس تمام عروج اور ترقی کے
باوجود حضور ﷺ کی پیاری اور شیریں گفتگو میٹھی بول چال ایسی اونچی اور ایسی
عمدہ ہوتی کہ شاعروں نے اس کے سامنے سر جھکائے، حضور ﷺ کے چھوٹے
چھوٹے فقرے آج بھی حدیثوں میں موجود ہیں۔ حق یہ ہے کہ علوم و معارف
کے دریا کوزوں میں بھر دیئے گئے ہیں۔

حضور ﷺ کا مختصر مگر مکمل کلام حق و باطل، سچ و جھوٹ کا ایک چچاٹلا فیصلہ ہوتا،
یہودگی یا کسی کی توہین سے پاکیزہ۔ تکلفات سے بلند، بلا ضرورت ایک حرف بھی
زبان پر نہ آتا۔ حضور ﷺ کی گفتگو سہولت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہوتی تھی۔ ہر ہر

حرف ایک ایک کلمہ جدا کہ سننے والا سن کر یاد بھی کر سکے۔ بات کا چبانا، جلدی یا تیزی اس میں قطعاً نہ ہوتی۔ آپ ایک جملہ کو دو تین مرتبہ دہرا بھی دیتے تاکہ خوب سمجھ لیا جائے۔ اول سے آخر تک پوری صفائی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔

سوال: حضور ﷺ گھر کے آدمیوں کے ساتھ کس طرح رہتے تھے؟

جواب: جیسے باہر ہنسی خوشی رہتے اسی طرح گھر میں بھی ہنسی خوشی سے رہتے اور اسی کو ثواب فرماتے۔ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے، جس بیوی کا نام نکلتا اس کو ہمراہ لے جاتے۔ آپ کا قول ہے: اچھے آدمی وہ ہیں جو گھر کے آدمیوں سے اچھی طرح رہیں۔ وفات کے وقت حضور ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ مگر کوئی ایسی نہ تھی جو حضور ﷺ کی فدائی نہ ہو، کسی کو آپ سے شکایت نہ تھی۔ حضور ﷺ کسی کی جائز دلدادگی میں کبھی کمی نہ کرتے، جائز فرمائشوں کو پورا فرماتے۔ بیویوں کی سہیلیوں کی بھی عزت فرمایا کرتے۔ ان کے پاس ہدیہ بھجوایا کرتے۔ مردوں کے لیے حکم تھا کہ عورتوں کا پورا لحاظ رکھو۔ وہ تمہاری ماتحت ہیں، اچھے برتاؤ میں کمی نہ کرو۔ عورتوں کو حکم تھا کہ شوہروں کی پوری اطاعت کرو، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو وہ شوہر تھا۔

سوال: غلام باندیوں کے ساتھ حضور ﷺ کا کیا برتاؤ تھا؟

جواب: حضور ﷺ کی عام مہربانیوں میں باندی غلام اور آزاد سب کا برابر حصہ تھا۔ غلاموں کو اولاد کے برابر رکھا جاتا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور ﷺ کا بیٹا کہا جاتا۔ شہرت یہاں تک ہوئی کہ زید بن محمد مشہور ہو گئے۔ اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کی شادی کر دی۔

تم پڑھ چکے ہو کہ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمانوں کی فوج کے یہی سردار تھے، جن کے ماتحت حضور ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت

زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آج تک محبوب رسول اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آقائے دو جہاں کے برابر ایک ہی اوٹنی پر یہ بھی سوار تھے اور پھر وفات سے کچھ دنوں پہلے انہی کو اس بڑے لشکر کا افسر بنایا تھا جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

عام مسلمانوں کو بھی اسی برتاؤ کی تعلیم دی گئی، ارشاد ہوا: ”موالی القوم من انفسہم۔“ کسی قوم کے آزاد کردہ غلاموں کو زکوٰۃ دینا شریعت میں اسی طرح حرام قرار دیا گیا جیسے خود بنو ہاشم کو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دس سال میں حضور ﷺ کی خدمت میں رہا، مگر سفر، حضر، گھر، باہر؛ سب موقعوں پر حضور ﷺ میری خدمت اس سے زیادہ کیا کرتے جس قدر میں آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ کبھی مجھے نہیں فرمایا: ایسا کیوں کیا؟ ایسا کیوں نہیں کیا؟

معاملات

سوال: حضور ﷺ نے دوسرے لوگوں سے کیا کیا معاملات کیے ہیں اور کس شان سے؟

جواب: حضور ﷺ نے خرید بھی ہے، بیچا بھی ہے مگر نبوت سے پہلے فروخت کی مقدار

زیادہ تھی۔ نبوت کے بعد اس سے کم اور ہجرت کے بعد اس سے بھی کم۔ ہاں! ان زمانوں میں خرید کی مقدار زیادہ ہوتی رہی۔ حضور ﷺ نے نقد بھی خریدا اور بیچا ہے اور ادھار بھی۔ حضور ﷺ نے مزدوری بھی کی ہے، بکریاں بھی اجرت پر چرائی ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے منیجر بن کر شام بھی تشریف لے گئے ہیں اور دوسروں کو مزدور یا نوکر بھی رکھا ہے۔ منیجر وکیل خود بھی بنے اور دوسروں کو بھی اپنا وکیل بنایا۔ ہدیہ لینا، ہدیہ دینا، ہبہ لینا، ہبہ دینا؛ یہ تمام معاملات

پائے گئے، مگر ہدیہ یا ہبہ دینے سے جس قدر خوش ہوتے تھے لینے سے اتنا نہیں۔ اگر کسی سے قرض لیا ہے تو اس سے بہتر ادا کیا ہے اور ساتھ میں جان اور مال کی برکت کی دعا بھی فرمائی ہے، لیکن سود لینا، سود دینا، سود کا معاملہ لکھنا، اس کے متعلق دلالی، وغیرہ وغیرہ سب حرام قرار دی اور فرمایا کہ سود کے گناہ کا چھتیسواں حصہ (معاذ اللہ) ماں کے ساتھ زنا کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ کوئی چیز اُدھار خریدی، قیمت ادا کرنے سے پہلے اس کو فروخت کر دیا۔ اتفاقاً اس میں نفع رہا۔ حضور ﷺ نے اس نفع کو بیواؤں اور یتیموں پر تقسیم فرما دیا۔ ایک مرتبہ ایک شخص سے ایک اونٹ قرض لیا، وہ تقاضا کرنے آیا اور سخت گفتگو کی۔ صحابہ کو غصہ آیا، آپ نے سب کو خاموش فرما دیا اور ارشاد ہوا: حق دار کو کہنے کا حق ہے۔ دوسری مرتبہ دوسرے شخص سے ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کو بہت غصہ آیا، آپ نے ان کو ٹھنڈا کر دیا اور فرمایا: ”تم کو مجھے کہنا چاہیے تھا، نہ اس کو۔“ ایک یہودی سے ایک مرتبہ ایسی ہی صورت پیش آئی، وہ وقت سے پہلے ہی مانگنے کے لیے کھڑا ہوا اور بہت سخت گفتگو کی۔ یہاں تک کہا کہ آپ لوگوں کا یہی طرز ہے، ہمیشہ نالتے ہیں۔ صحابہ نے جواب دینا چاہا، مگر حضور ﷺ نے خاموش کر دیا۔ پھر بھی یہودی کی طرف سے سختی بڑھ رہی تھی، مگر اس کا جواب نرمی کی زیادتی سے اور حلم و بردباری کی ترقی سے دیا جا رہا تھا۔ آخر یہودی حضور ﷺ کا مٹوالا بن گیا اور عرض کرنے لگا: آپ میں تمام علامتیں نبوت کی چچی پا چکا تھا، صرف سخت کلامی اور غصہ کے وقت بردباری کا امتحان باقی تھا، آج پورا ہو گیا۔ اب مجھے خادم بنالیں اور اسلام سے مُشرّف فرمائیے۔

حضور ﷺ کے اخلاق کھانے پینے کے متعلق

سوال: کھانے پینے کے متعلق حضور ﷺ کے کیا اخلاق تھے؟

جواب: خدا کی معمولی سی نعمت کو بھی بہت بڑی نعمت سمجھتے۔ جو سامنے آتا اسکو واپس نہ کرتے بڑھیا ہو یا گھٹیا، بشرطیکہ ناجائز نہ ہو۔ اگر نہ ملتا تو صبر کرتے، چنانچہ کئی کئی دن صاف گزر جاتے۔ پیٹ پر پتھر باندھتے، مگر صبر میں فرق نہ آتا، رضائیں کمی نہ ہوتی۔ ایسا بھی ہوا مہینے گزر گئے اور دولت خانہ میں چولہا ٹھنڈا پڑا رہا۔ جب کھانے کیلئے بیٹھتے اول ہاتھ دھو لیتے اور بسم اللہ پڑھتے۔ ہاتھ پر یا کسی چیز پر تکیہ لگا کر سنی یا میز پر کھانا نہ کھاتے، نہ پُر تکلف چھوٹے چھوٹے برتنوں میں۔ ایک ہی طشت یا قاب میں بہت سے آدمی کھا لیتے۔ زمین پر دسترخوان بچھایا جاتا، اسی پر کھاتے۔ خدا کی نعمت کی برائی نہ کرتے، کھانا پسند آتا تو کھاتے ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے، عیب ہرگز نہ نکالتے، فارغ ہونے کے بعد جب کھانا اٹھایا جاتا تو فرماتے:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَارْزَأَنَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ.“

”اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، سیراب اور شاداب کیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔“

آپ کا کھانا تکلفات سے بالکل سادہ ہوتا، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور فرمایا:

حضور ﷺ کو جو کھانا پسند تھا وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔

سلمیٰ رضی اللہ عنہا: پیارے بچو! آج تمہیں وہ کھانا پسند نہیں آ سکتا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ: نہیں اچھی سلمیٰ! ضرور پسند آئے گا۔

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا انھیں تھوڑے جوڈل کر ہانڈی میں ڈالے، ذرا سبزیتوں کا تیل اُن کے اوپر ڈالا اور کچھ مرچیں کچھ زیرہ وغیرہ ملا کر فرمایا: یہ کھانا حضور ﷺ کو پسند تھا۔

چھلنی اس زمانہ میں نہ تھی۔ جو کا آٹھا پیسا جاتا اور پھونکوں سے اس کا پھوکٹ اڑا دیا جاتا۔ چپاتی حضور ﷺ کے لیے کبھی نہیں پکائی گئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی دو دن متواتر جو کی روٹی حضور ﷺ کو پیٹ بھرائی عمر بھر میسر نہ آئی۔ کئی کئی راتیں فاقہ سے گزر جاتی تھیں۔ کمر سیدھی کرنے اور سہارا دینے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھتے، مگر نہ اس وجہ سے کہ آمدنی کم تھی، بلکہ اس لیے کہ دنیا کے یتیم اور فقراء حضور ﷺ کے مال میں برابر کے حصہ دار تھے، جو کچھ آتا فوراً خرچ ہو جاتا۔

ارشاد ہوا: ”سرکہ بہترین سالن ہے۔“ نمک کی بھی تعریف کی گئی کہ غریب کی روٹی کو لذت کے ساتھ حلق سے نیچے اتار دیتا ہے۔ سیر شکم کبھی نہ تناول فرماتے، کچھ بھوک چھوڑ دیتے۔

ترچیزوں کو تین انگلیوں سے کھاتے اور فراغت کے بعد ان کو چاٹ لیتے۔ بیچ میں سے اور چھانٹ چھانٹ کر کھانے سے منع فرماتے۔ جب تک ہڈی میں گوشت رہتا پھینکنے کی اجازت نہ دیتے، گری ہوئی چیز کو صاف کر کے کھانے کی ترغیب دیتے اور دسترخوان پر گرے ہوئے ریزوں کے کھانے کو برکت کا باعث قرار دیتے۔ پیالہ یا ہنڈیا کی تلچھٹ خاص طور سے کھاتے تھے۔ صدقہ کی چیز حضور ﷺ ہر گز نہ کھاتے۔ ہاں! ہدیہ شوق سے کھا لیتے۔

پینے کے متعلق حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ تین سانس میں پانی نوش جان فرماتے، ہر مرتبہ برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لیتے اور اسی طرح پینے کی ہدایت فرماتے۔

سوال: صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق ہے؟

جواب: صدقہ تو یہ ہے کہ ثواب کے خیال سے کسی ضرورت مند کو کوئی چیز دی جائے اور کسی خاص شخص کی خصوصیت منظور نہ ہو اور ہدیہ یہ ہے کہ اس شخص کا اکرام اور تعظیم منظور ہو۔

سوال: اگر کوئی ہدیہ بھیجتا تو آپ کا طرز کیا ہوتا؟

جواب: آپ قبول فرمالیتے، دعا فرماتے اور اس سے بہتر چیز دینے کی کوشش فرماتے۔

سوال: حضور ﷺ کی عام غذا کیا تھی؟

جواب: چند چھوارے، جو کی روٹی، ستو، دودھ، گوشت۔

سوال: حضور ﷺ کو کون کون سی چیزیں مرغوب تھیں؟

جواب: کدو، شہد، دودھ، گوشت اور خصوصیت کے ساتھ ران کا گوشت۔

سوال: کون کون سی چیزیں حضور ﷺ کو ناپسند تھیں؟

جواب: (کچی) لہسن، پیاز، اور بد بو کی چیزیں۔

راحت و آرام

سوال: حضور ﷺ کے سونے اور لیٹنے کا کیا طرز تھا؟

جواب: حضور ﷺ عموماً با وضو سوتے، جب بستر پر جاتے تو اَوَّل اس کو جھاڑ لیتے۔ اس کے بعد پہلے داہنا پیر رکھتے، پھر دائیں ہاتھ پر داہنا رخسار رکھ کر دائیں کروٹ پر اس طرح لیٹتے کہ قبلہ کی طرف رخ رہتا، یعنی قبلہ داہنی جانب ہوتا اور یہ دعا فرماتے:

رَبِّ قَبْنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

”اے پروردگار! جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے مجھے عذاب سے بچانا۔“

سونے سے پہلے تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اسی طرح تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور اللہ اکبر اور ایک مرتبہ آیت الکرسی اور چاروں قُل خود بھی

لے لیکن اس کی وجہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان کی کہ گوشت کبھی کبھی پکاتا اور حضور ﷺ کو فرمت کم ہوتی تھی، یہ چوں کہ گل جاتا اس لیے اسی کو جلدی جلدی کھا لیتے۔

پڑھتے اور اس کی تعلیم اُمت کو بھی فرماتے اور فرمایا کہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیر لیے جائیں۔ تین مرتبہ ایسا کیا جائے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی سورتیں پڑھنے کی عادت تھی۔ حضور ﷺ کپڑے کے بستر پر بھی سوئے ہیں اور چمڑے کے بستر پر بھی، کالے مکمل اور محض چٹائی پر بھی حضور ﷺ سوئے ہیں اور ناٹ یا کھال پر بھی۔ تخت اور چار پائی پر بھی سرکارِ دو عالم سوئے ہیں اور فرشِ خاک پر بھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ فنیؓ کے مکان میں حضور ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور حضرت حفصہؓ کے مکان میں ناٹ کا، جس کو دوہرا کر کے بچھا دیا جاتا، ایک روز اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا گیا تو تہجد میں دیر سے آنکھ کھلی۔ فرمایا: آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا، دوہرا ہی رہنے دینا۔

حضور ﷺ کا سونے کے وقت کچھ سانس ضرور سنائی دیتا۔ مگر ناگوار خراٹے نہ ہوتے تھے۔ حضور ﷺ کی آنکھیں سوتیں، مگر قلبِ مبارک وحی کا منتظر اور حضرت قدسؑ کی طرف متوجہ رہتا۔ جب حضور ﷺ بیدار ہوتے تو فرماتے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ.

”اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی عطا فرمائی، اسی کے پاس جانا ہے۔“

پوشاک، لباس وغیرہ

سوال: حضور ﷺ کی پوشاک کیسی ہوتی تھی؟

جواب: حضور ﷺ کا لباس مبارک سادہ ہوتا تھا، تکلف سے پاک، بسا اوقات پرانا پیوند لگا ہوا۔ مگر صاف ستھرا اور اکثر خوشبو سے معطر، سبز یا سرخ دھاری دار یمن کے بنے ہوئے تہہ بند اور چادر اور سفید لباس حضور ﷺ کو عام طور سے پسند تھا۔

لباس کے متعلق عام سنت یہ تھی کہ جو میسر آتا وہ استعمال فرماتے۔ چنانچہ چادر، تہ بند اور کرتہ، عمامہ، ٹوپی، چڑے کے موزے، جوتے؛ یہ سب ہی استعمال فرمائے ہیں اور وقت پر جو میسر ہوا۔ ضرورت کے وقت چونا اور تنگ آستین والی اچکن بھی استعمال فرمائی ہے۔ پاجامہ بھی خریدا ہے، مگر پہننے سے پہلے وفات ہو گئی۔

البتہ لباس میں چند باتیں ضروری تھیں: (۱) ریشم کا نہ ہو (۲) زریفت نہ ہو (۳) ایسا لباس نہ ہو جس سے تکبر ٹپکے۔ چنانچہ ٹخنوں سے نیچا تہہ بند یا پاجامہ منع فرمایا، کیونکہ یہ تکبر کا شیوہ ہے۔ (۴) ایسا نہ ہو جس سے دکھاوا مقصود ہو، خواہ گھٹیا اور روڑی ہی ہو۔ (۵) ایسا نہ ہو جس سے عورتوں کی مشابہت پیدا ہو۔ چنانچہ سرخ لباس وغیرہ سے منع فرمایا۔ (۶) ایسا نہ ہو جو کسی دوسری قوم کا مخصوص لباس ہو۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ تکبر بڑھیا لباس میں نہیں اور تصوف گھٹیا لباس میں نہیں۔ بلکہ تکبر یہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں پر بڑائی جتلا نا مقصود ہو، تصوف یہ ہے کہ تکبر اور دکھلاوے کا اس میں اثر نہ ہو، رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی پیروی ہو، وہ سادہ لباس بھی برا ہے جو دکھلاوے کے لیے ہو۔ وہ بڑھیا لباس بھی اچھا ہے جو تکبر اور غرور کے لیے نہ ہو، بلکہ خدا کی نعمت اور اس کے احسان کے اظہار کیلئے ہو۔

حضور ﷺ نے اعلیٰ درجہ کا لباس بھی پہنا ہے اور گھٹیا بھی۔ جن کپڑوں میں وفات پائی وہ موٹے کپڑے تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کا ارشاد تھا جب تک پیوند نہ لگوا لیا جائے کپڑے کو نہ اُتارا جائے اور جب اُتارا جائے تو کسی غریب کو دے دیا جائے۔

حضور ﷺ عمامہ میں شملہ بھی چھوڑتے تھے۔ اور کبھی دونوں کنارے بھی نیچے کو لٹکا لیتے تھے۔ عمامہ کا باندھنا اس طرح ہوتا کہ داہنا حصہ اوپر رہتا اور ٹوپی نیچے ہوتی۔

سوال: حضور ﷺ کی چادر، تہبہ بند اور عمامہ کا طول و عرض کتنا ہوتا تھا؟

جواب: چادر چھ ہاتھ لمبی، تین ہاتھ چوڑی۔ تہبہ بند چار ہاتھ ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ ایک بالشت چوڑی۔ عمامہ سات ہاتھ لانا۔

سوال: حضور ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی یا سونے کی، کون سے ہاتھ میں پہنتے تھے اور اس کا نگ کس طرف رہتا تھا؟

جواب: چونکہ حضور ﷺ کی انگوٹھی میں مہر تھی اور مہر کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس وجہ سے ضرورت کے وقت عموماً داہنے ہاتھ میں ڈال لیتے تھے۔ کبھی بائیں ہاتھ میں بھی۔ اس کا نگ اندر کی جانب ہتھیلی کی طرف رہتا تھا، انگوٹھی چاندی کی تھی۔ سونے کی منع فرمائی ہے۔

صفائی

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص بال رکھنے چاہے تو وہ صاف کرتا رہے۔ آپ دوسرے تیسرے روز کنگھا بھی فرمایا کرتے تھے۔ آٹھویں روز غسل مسنون قرار دیا اور مسواک ہر وضو کے وقت۔

ایسے ہی جمعہ یا عید یا مجمع میں جانے کے وقت عطر، مسواک، عمدہ لباس کا استعمال مسنون قرار دیا۔ حجامت کی زائد سے زائد مدت چالیس روز قرار دی، مونچھوں کو کٹانا، ڈاڑھی کو بڑھانا مسلمان کی علامت قرار دی۔

حضور ﷺ سونے کے وقت سرمہ استعمال فرماتے تھے، ہر آنکھ میں تین سلائی لگاتے۔ پیشاب کو مکان میں رکھنے سے منع فرمایا۔ مکانوں کو صاف رکھنے کا حکم فرمایا۔ ارشاد ہوا: ”اس مکان میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے، جس میں جنبی (ناپاک) یا تصویر یا کتا ہو۔“ رات کو بسم اللہ کہہ کر برتنوں کے ڈھکنے کا حکم فرمایا۔

استنجا حضور ﷺ پانی سے بھی کرتے تھے اور ڈھیلوں سے بھی اور دونوں سے استنجا کرنا بہتر قرار دیا۔ پاس بیٹھ کر قضاء حاجت سے منع فرمایا۔ سایہ کی جگہ لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ اور راستہ میں پیشاب، پاخانہ کرنے سے منع فرمایا۔

آبدست بائیں ہاتھ سے ہونا چاہیے، آبدست کے ہاتھ کو مٹی سے مل کر پانی سے دھولینا چاہیے، نجاست کے موقعوں پر بایاں پیر آگے بڑھنا چاہیے اور اچھے موقعوں پر دایاں پیر۔ پیشاب کے وقت نرم زمین تلاش کرنی چاہیے۔ ورنہ کرید کر ایسا کر لینا چاہیے کہ چھینٹے نہ اٹھیں۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ دو قبروں پر گزرے، فرمایا ان کے مردوں کو معمولی معمولی باتوں پر عذاب ہو رہا ہے، ایک تو چغلی کیا کرتا تھا، دوسرا ناپاک چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ پیشاب پاخانہ میں جانے کے وقت پڑھنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبُکَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ.

باہر نکلتے وقت کہنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ غُفْرَانَکَ.

یہ بھی حضور ﷺ (روحی فداہ) کی مبارک اور پاکیزہ سنت۔

اللهم وفقنا لاتباع سنن حبيبك و نبيك خاتم الانبياء
والمرسلين وصل عليه وعلى آله واصحابه اجمعين.
آمین یا رب العالمین.

۱۔ حضور ﷺ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے لیے دو دو اور چار چار میل نکل جاتے تھے۔

نکاح

سوال: نکاح مذہبی چیز ہے یا دنیاوی؟

جواب: مذہبی۔

سوال: مذہبی طور سے نکاح کے کیا کیا مقصد ہیں؟

جواب: (۱) پاک دامن رہے، نظر نیچی رہے۔ (۲) خدا کی عبادت کے لیے ہر ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ (۳) خدا کے نیک بندوں میں زیادتی ہو۔ (۴) عورتیں جو خدا کی مخلوق ہیں ان کی زندگی بخوبی بسر ہو۔ اندورن خانہ انتظامات سے بے فکر ہو کر مذہبی فرائض مثلاً جہاد یا حلال کمائی وغیرہ میں مشغول ہو۔ (۵) اپنے بچوں کے دکھ درد کو دیکھ کر مخلوق خدا کے درد دکھ کا پتا چلے اور نیک سلوک اور خدمت خلق کی عادت ہو۔

سوال: اسلام میں ایک وقت میں کتنے نکاح جائز ہیں؟

جواب: چار۔

سوال: کیا اس کے لیے کوئی شرط بھی ہے؟

جواب: (۱) سب کے اخراجات برداشت کر سکے۔ (۲) سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ کر سکے۔ (۳) سب کے ساتھ اچھا سلوک کر سکے۔

سوال: حضور ﷺ کی بیویوں کا ذکر ہمیں کس طرح کرنا چاہیے، یعنی ان کا لقب کیا ہے اور مسلمانوں سے کیا رشتہ ہے؟

جواب: اُمّ المؤمنین کے ساتھ یعنی مسلمانوں کی ماں، یہی ان کا لقب اور رشتہ ہے۔

لے چنانچہ ان میاں بیوی کی تعریف کی گئی جو رات کو اٹھ کر تہجد پڑھیں اور ایک نہ اٹھتے تو دوسرا اس پر پانی چھڑک دے، ارشاد ہوا: دنیا کی بہترین پونجی نیک بیوی ہے۔

سوال: حضور ﷺ کی وفات کے وقت کتنی بیویاں تھیں؟

جواب: نو۔

سوال: جب کہ مسلمانوں کے لیے صرف چار نکاح جائز ہیں تو حضور ﷺ نے اتنے نکاح کیوں کیے؟

جواب: جس خدا نے عام مسلمانوں کے لیے صرف چار نکاح ایک وقت میں جائز رکھے ہیں اسی خدا نے حضور ﷺ کے لیے اس سے زائد نکاح جائز رکھے۔

سوال: کیا حضور ﷺ کے نکاحوں میں کوئی ظاہری حکمت بھی ہے؟

جواب: چند حکمتیں بالکل ظاہر ہیں، زیادہ کا علم خدا کو ہے۔

سوال: وہ حکمتیں کیا ہیں؟

جواب: (۱) حضور ﷺ کا طریقہ تھا کہ جس چیز کی تعلیم دوسروں کو دیتے تو اس پر سختی سے عمل کر کے دکھا دیتے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، جہاد، معاملات مثلاً خرید و فروخت، قرض، تجارت وغیرہ وغیرہ سب میں یہی حالت تھی تو اسی طرح جب چار نکاح جائز رکھے گئے اور حکم یہ ہوا کہ سب کیساتھ اچھی طرح سے رہیں، کسی کو شکایت کا موقع نہ آنے دیں تو حضور ﷺ نے ۹ نکاح کر کے دکھا دیا کہ بہت سی بیویوں کے ہوتے ہوئے اس طرح محبت اور برابری کا سلوک کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ حالانکہ حضور ﷺ معصوم و مغفور تھے، مگر فرماتے ہیں کہ نماز میری آنکھوں کی خشک ہے، عام نمازوں کے علاوہ صرف تہجد میں اتنا کھڑے ہوتے ہیں کہ پائے مبارک درم کر جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ دو دو تین تین دن کے روزے بلا افطار رکھیں، مگر حضور ﷺ عموماً ایسا کرتے تھے۔ عام مسلمانوں کا ترکہ ان کی اولاد کو ملتا ہے، بلکہ مرنے کے وقت تہائی سے زائد مال کا وقف کر دینا یا بیکر کر دینا جائز ہے، مگر حضور ﷺ کا ترکہ تمام مسلمانوں کے لیے تھا، ان کی اولاد کو کچھ نہ ملا، اس کی آمدنی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی فقیروں، مسکینوں، مسافروں وغیرہ کے لیے تھی۔ جہاد کے بارے میں حالات کا کسی قدر علم ہو چکا ہے، حد ہوئی بدر کے موقع پر بنی لب دم اور حضور ﷺ جہاد میں وطن سے باہر، اور اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں۔

(۲) اگر نکاح عیش ہے تو یہ بتادیا کہ انسان ایک بیوی نہیں ۹ بیویوں میں پھنس کر بھی دنیا دار نہیں بنتا، بلکہ سخت سے سخت اور اعلیٰ سے اعلیٰ دینی خدمت انجام دے سکتا ہے۔ (۳) اگر نکاح آفت ہے تو ضروری تھا کہ دنیا کی دوسروں کی مصیبتوں کی طرح یہ بھی حضور ﷺ پر سب سے زائد ہوں تاکہ ثابت قدمی اور استقلال کا سبق خدا کے بندوں کو مل سکے۔ (۴) بہت سے مسئلے اس قسم کے ہیں کہ مردوں کے ذریعہ سے ان کی تبلیغ ناممکن ہے اور غیر عورتوں کے سامنے ان کا بیان کرنا حیا کے مخالف تو اس طرح ان کی تبلیغ آسانی ہو۔ (۵) کچھ خاص حکمتیں تھیں جن کا تذکرہ ”ماؤں“ کے تفصیلی ذکر میں آئے گا۔ (۶) اگر معاذ اللہ! کوئی برا مقصد ہوتا تو یہ شادیاں جوانی میں کرنی چاہیے تھیں نہ کہ بچپن سال کے بعد بڑھاپے میں۔

سوال: کیا حضور ﷺ سے پہلے انبیاء نے بھی ایک سے زائد شادیاں کی ہیں؟

جواب: کی ہیں۔

سوال: ان کی تفصیل بیان کرو۔

جواب: سیدنا حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم: تین بیویاں۔

سیدنا حضرت یعقوب علیہ وسلم: تین بیویاں۔

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ وسلم: چار بیویاں۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ وسلم: نو سے بھی زائد۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ وسلم: ۹ سے بھی زائد، بروایت تورات ایک ہزار سے بھی زائد۔

سوال: کیا ہندوؤں کے بڑے بزرگوں نے بھی ایک سے زائد بیویاں رکھی ہیں؟

جواب: رکھی ہیں۔

سوال: ان کی تفصیل بیان کرو؟

جواب: رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرتھ کی ۳ بیویاں۔ کرشن جی جو بہت بڑے اوتار ہیں عام شہرت کے مطابق سینکڑوں بیویاں۔ راجا پاٹھو کی دو بیویاں۔ راجا شتن دو بیویاں۔ کچھتر ان کچ دو بیویاں ایک لونڈی۔

سوال: امہاٹ المومنین کے مہر کیا کیا تھے؟

جواب: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ۶ اونٹ۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے چار سودینا تقریباً دو ہزار روپے۔ باقی سب کے پانسو درہم (۵۰۰)، تقریباً جن کی ۱۳۰ تولہ چاندی ہوتی ہے۔

سوال: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر اتنے زیادہ کیوں تھے؟

جواب: اس لیے کہ حبشہ کے بادشاہ نے یہ مہر رکھے تھے۔ اُسی نے ادا کیے تھے، حضور ﷺ نے نہیں۔

سوال: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مہر کتنے تھے؟

جواب: وہی پانسو درہم۔

سوال: حضور ﷺ کی خواتین اور ان کے والدین کے نام کیا کیا تھے اور کون کون سے

خاندان سے تھیں، نکاح کب ہوا، پہلے بھی ان کا کوئی نکاح ہو چکا تھا یا نہیں،

حضور ﷺ کی خدمت میں کتنے عرصہ رہیں، کب وفات پائی؟

جواب: ان تمام سوالات کے جوابات ذیل کے نقشہ سے نکال لو:

[نقشہ اگلے صفحے پر ہے]

حضور ﷺ کی خواتین جن کو

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۱	ام المومنین حضرت خدیجہ <small>رضی اللہ عنہا</small> لقب طاہرہ۔ دختر فاطمہ بنت زائدہ	خویدہ۔ قریش۔ از اولادِ قصی	دو نکاح ہوئے: (۱) شقیق بن عائد مخزومی جو لا ولد مرے (۲) ابوہالہ ہند بن نہاش جنکے اولاد ہوئی۔	حضور ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ <small>رضی اللہ عنہا</small> کی عمر چالیس سال۔
۲	ام المومنین حضرت سودہ <small>رضی اللہ عنہا</small> ۔ دختر شمس بنت قیس	زمدہ۔ قریش از اولادِ لوی	پہلے سکران بن عمرو بن عبدود سے نکاح ہوا	نبوت سے دسویں برس حضرت خدیجہ <small>رضی اللہ عنہا</small> کی وفات کے بعد۔ حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال نیز حضرت سودہ <small>رضی اللہ عنہا</small> کی عمر ۵۰ سال
۳	حبیہ محترمہ ام المومنین عائشہ صدیقہ <small>رضی اللہ عنہا</small> ۔ صدیقہ لقب۔ دختر ام رومان زینب <small>رضی اللہ عنہا</small> جن کو دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی جائی تھی۔	صدیق اکبر حضرت ابوبکر <small>رضی اللہ عنہ</small> قریش از اولادِ حمزہ	پہلے نکاح نہیں ہوا۔	شوال ۱۱ھ نبوت، یعنی جب حضور ﷺ کی عمر مبارک ۵۰ سال ۶ ماہ تھی نکاح ہوا۔ تین سال بعد ہجرت کے پہلے سال شوال میں رخصتی ہوئی، حضرت عائشہ <small>رضی اللہ عنہا</small> کی عمر بوقت نکاح چھ سال، بوقت رخصتی ۹ سال۔

مسلمان اپنی ماں کہتے ہیں۔ رضوان اللہ علیہن

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۲۵ برس یا ۲۳ برس چھ ماہ	مدہ مکرمہ میں جب کہ حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ سال	ابو ہالہ سے تین بیٹے زندہ تھے جو مسلمان ہوئے: (۱) ہند (۲) طاہر (۳) ہالہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مہر ۶ اونٹ تھے۔
تقریباً ۱۴ سال	مدینہ منورہ۔ ۱۹ ہجری بہ عمر ۷۲ سال	پہلے مسلمان ہو گئی تھیں پھر شوہر کو مسلمان کیا، پھر حبشہ (ہجرت کر کے) تشریف لے گئیں، وہاں شوہر کی وفات ہو گئی، حضور ﷺ نے نکاح کر کے مصیبت زدہ بیوہ کی ہمدردی فرمائی اور دارین کی سر بلندی سے نوازا۔
۹ برس ۵ ماہ تقریباً	مدینہ طیبہ میں ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ ہجری کو بہ عمر ۶۳ سال وفات ہوئی	ذہانت، ذکاوت، عقل، سمجھ، علم، عمل کے باعث حضور ﷺ کی بیگمات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے مسائل میں ان سے فتویٰ لیتے تھے۔ تقریباً سوا دو ہزار حدیثیں ان سے روایت ہیں۔

نمبر شار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۴	ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا۔ دختر حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا، بہت پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قریشی از اولادِ کعب	پہلے حضرت حمیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا جنہوں نے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور پھر جنگِ احد میں شریک ہو کر زخمی ہوئے اور مدینہ میں وفات پائی۔	شعبان ۳ ہجری۔ حضور ﷺ کی عمر ۵۵ سال ۶ ماہ۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۲۲ سال۔
۵	ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔ لقب ام المساکین	خزیمہ۔ قریش از اولاد بہو بلال بن عامر	تین نکاح ہوئے: (۱) طفیل سے (۲) عبیدہ سے، دونوں حضور ﷺ کے بڑے چچا حارث کے بیٹے تھے۔ (۳) عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے جو جنگِ بدر میں شہید ہوئے۔	۳ ہجری حضور کی عمر ۵۵ سال ام المومنین کی عمر تقریباً تیس سال۔
۶	ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام ہند	ابی امیہ، عرف زادہ الرکب، قریشی از بنی مخزوم، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسی خاندان سے تھے۔	حضرت عبداللہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا تھا جو حضور ﷺ کی چھوٹی برہ کے صاحبزادے تھے اور حضور ﷺ کے دودھ شریک بھائی بھی، اسلام لائے والوں میں تقریباً گیارہویں شخص ہیں، اول حبشہ ہجرت کی، پھر مدینہ طیبہ، بدر میں شریک ہوئے اور جنگِ احد میں شریک ہو کر جمادی الاخریٰ ۳ ہجری میں شہید ہوئے۔	۴ ہجری یا ۵ ہجری ۸ جمادی الثانیہ۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۳ سال حضور ﷺ کی عمر ۵۶ سال

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۸ سال	جمادی الاولیٰ ۳۱ ہجری بہ عمر ۶۰ سال - مدینہ منورہ میں وفات پائی۔	بہت زیادہ سمجھ دار ذہین اور بہادر تھیں۔
دو ماہ یا تین ماہ	۳ ہجری، مدینہ طیبہ میں بہ عمر ۳۰ سال	سخاوت میں ممتاز تھیں، اسی بنا پر ام الماسکین لقب ہوا یعنی مسکینوں اور غریبوں کی ماں۔
سات سال ۹ ماہ یا سات سال	مدینہ میں ۵۹ ہجری یا ۶۰ ہجری میں بہ عمر ۸۴ سال۔ کہا گیا ہے کہ ازواج میں سب کے آخر میں ان کی وفات ہوئی۔	اسلام میں بہت پختہ تھیں۔ مدینہ آنے کے وقت اپنے شوہر کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر رہی تھیں، مگر انکے رشتہ داروں نے انکو، ایک انکے شیر خوار بچہ کو روک لیا، شوہر نے خدا کی راہ میں بیوی کی کوئی پرواہ نہیں کی، جس جگہ فراق ہوا تھا ایک سال برابر وہاں آئیں، اور پھوٹ پھوٹ کر روئیں، آخر کار سخت دلوں کا دل نرم ہو گیا اور اجازت دیدی، یہ تنہا مدینہ کو روانہ ہو گئی۔ اور ایک شخص نے رحم کھا کر ان کو مدینہ کے پاس تک پہنچا دیا، شوہر کی وفات کے وقت کنی ایک بچے تھے۔

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۷	ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا۔ لقب ام الحکم۔ دختر امیمہ جو حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں۔	جحش بن ایاب قبیلہ خزیمہ از خاندان بنی اسد	پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، پھر انہوں نے طلاق دیدی۔	ذی قعدہ ۵ ہجری۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال حضور ﷺ کی عمر ۵ سال
۸	ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	حارث بن ابی ضرار قبیلہ بنو مصطلق کے سردار	پہلی شادی مسالح بن صفوان مصطلق سے ہوئی۔	غزوہ بنی مصطلق کے موقعہ پر شعبان ۵ ہجری، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۶ یا ۲۰ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵ سال ۶ ماہ تقریباً
۹	ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔ اصل نام رملہ دختر صفیہ بنت ابی العاص	ابوسفیان بن امیہ حضور ﷺ کے مشہور دشمن، جو ۸ ہجری میں مسلمان ہوئے، قریشی از خاندان بنو امیہ	پہلا نکاح عبید اللہ بن جحش سے ہوا۔	۶ ہجری ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال اور حضور ﷺ کی عمر ۵۰ سال سے زائد

کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں	وفات کب ہوئی اور کہاں	کیفیت اور کوئی خاص بات
۵ سال ۴ ماہ تقریباً	مدینہ میں ۲۰ ہجری میں بہ عمر ۵۲ سال تقریباً	اس نکاح سے عرب کے اس مشہور عقیدہ کو باطل کیا گیا کہ متعنی یعنی لے پا لک کا رشتہ خاص بیٹے جیسا ہوتا ہے اور اس کی بیوی حرام ہو جاتی ہے، کیونکہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے متعنی تھے۔
۵ سال ۶ ماہ تقریباً	مدینہ طیبہ میں ۵۶ ہجری بہ عمر ۶۵ سال یا ۷۱ سال	غزوہ بنو مطلق میں گرفتار ہو کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں، انہوں نے آزاد کرنے کا وعدہ کر لیا مگر اس شرط پر کہ روپیہ ادا کریں، روپیہ کے متعلق امداد کیلئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضور ﷺ نے روپیہ ادا کر دیا اور چونکہ سردار کی بیٹی تھیں حضور ﷺ نے نکاح میں قبول فرمایا، جس کا فائدہ یہ ہوا کہ سو آدمی جو اس قبیلہ کے گرفتار کر کے غلام بنائے گئے تھے اور تقسیم کیے جا چکے تھے مسلمانوں نے فوراً آزاد کر دیئے کہ انکے خاندان سے حضور ﷺ کا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ حارث مذکور کا کام عموماً ڈیکیتی تھا، اسکے بعد وہ بند ہو گیا، مسلمانوں کو بھی امن ملا، دوسرا فائدہ یہ تھا۔
تقریباً ۵ سال	مدینہ طیبہ میں ۴۳ ہجری بہ عمر ۷۲ سال وفات ہوئی	شوہر کے ساتھ حبشہ گئی تھیں، مگر شوہر شرابی تھے، وہاں کے لوگوں سے ملکر اسلام سے پھر گئے، حضور ﷺ کو جب علم ہوا تو نکاح کا پیغام بھیجا، ابوسفیان پر جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے باپ تھے۔ اس کا کیا اثر ہوتا چاہیے وہ ظاہر ہے، واقعہ یہ ہے کہ پھر کوئی جنگ نہیں ہوئی، صلح کے زمانہ میں ابوسفیان مدینہ آئے، بیٹی سے ملنے گئے تو حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر اٹھا دیا کہ رسول اللہ کے بستر پر کافر نہیں بیٹھ سکتا۔ ابوسفیان بولے: میرے بعد بیٹی بیٹھ گئی۔

نمبر شمار	اصل نام مع عرف اور والدہ کا نام	والد کا نام اور خاندان	پہلے نکاح ہوا یا نہیں اور کتنے نکاح ہوئے	حضور سے کب نکاح ہوا اور ان کی عمر کیا تھی
۱۰	ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا۔ دختر برہ بنت سمو آل	حیی بن اخطب سردار بنو نضیر	کنانہ بن ابی حقیق سے نکاح ہوا جو خیبر کا سردار تھا، جنگ خیبر میں مارا گیا، یہ بھی روایت ہے کہ اس سے پہلے سلام بن مشکم یہودی سے نکاح ہوا تھا۔	جمادی الآخری ۶ے ہجری، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۷ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵۹ سال تقریباً
۱۱	ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن	حارث بن حزن از خاندان بنو ہلال بن عامر	پہلا نکاح مویطب بن عبد العزیٰ سے ہوا، دوسرا نکاح ابورہم بن عبد العزیٰ سے	ذی قعدی ۶ے ہجری بموقعہ عمرہ قضا، ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶ سال، حضور ﷺ کی عمر ۵۹ سال تقریباً

کیفیت اور کوئی خاص بات	وفات کب ہوئی اور کہاں	کتنے عرصہ حضور کی خدمت میں رہیں
<p>غزوہ خیبر میں گرفتار ہوئی تھیں اور حضرت وحیدہ کلبیہؓ کے حصہ میں آئی تھیں، مگر چونکہ سردار کی بیوی اور سردار کی بیٹی تھیں، لہذا ان سے واپس لے کر ملکہ دو جہاں کا شرف عنایت فرمایا گیا۔ حضور ﷺ نے اول روز دیکھا کہ چہرہ پر نیکل ہے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے میں نے خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ہٹا اور میری گود میں آ پڑا، حضور کے متعلق واللہ! مجھے کوئی خیال بھی نہ تھا، میں نے اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس کمبخت نے طمانچہ رسید کیا اور کہا کہ اس شخص کی آرزو رکھتی ہے جو مدینہ میں ہے۔</p>	<p>مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی بہ عمر ۶۰ سال رمضان ۵۵ ہجری</p>	<p>تقریباً ۴ سال</p>
	<p>بمقام سرف جہاں نکاح ہوا تھا وہیں وفات ہوئی بہ عمر ۸۰ سال ۵۵ ہجری</p>	<p>سواتین سال تقریباً</p>

رشتہ دار اور لواحقین

حضور ﷺ کے چچا، تائے اور پھوپیاں

سوال: حضور ﷺ کے کتنے تائے اور چچا تھے اور کیا کیا نام تھے؟

جواب: گیارہ یا تیرہ جن کے نام یہ ہیں: (۱) سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (۳) جناب ابوطالب اصل نام عبد مناف (۴) ابولہب اصل نام عبد العزیٰ (۵) زبیر (۶) عبد الکعبہ (۷) ضرار (۸) ثمم (۹) مصعب، عرف عیداق (۱۰) حارث (۱۱) مرقوم (۱۲) مغیرہ (۱۳) جہل یا جہلا (اول ہاجریم) علماء کا قول یہ بھی ہے کہ حارث ہی کا نام مرقوم بھی تھا اسی طرح مغیرہ کا نام جہل یا جہلا بھی مانا گیا ہے، اس صورت سے کل گیارہ ہوتے ہیں۔

سوال: ان سب میں بڑے اور چھوٹے کون اور کون کون مسلمان ہوئے؟

جواب: سب سے بڑے حارث اور سب سے چھوٹے عباس رضی اللہ عنہ اور صرف دو مسلمان ہوئے۔ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما۔

سوال: حضور ﷺ کی کتنی پھوپیاں تھیں اور نام کیا تھے؟

جواب: چھ: (۱) صفیہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ (۲) عاتکہ (۳) برہ (۴) اردوی (۵) امیمہ (۶) ام حکیم بیضا۔

سوال: مسلمان کون کون ہوئیں؟

جواب: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تو یقین ہے۔ باقی اردوی اور عاتکہ کے متعلق اختلاف ہے۔

آزاد کردہ غلام اور باندیاں

سوال: حضور ﷺ کی آزاد کردہ باندیاں اور غلام کتنے تھے؟

جواب: تقریباً تیس غلام اور گیارہ یا نو باندیاں اور ان سے زیادہ کی بھی روایتیں ہیں؟

خدمت کرنے والے

سوال: حضور ﷺ کے خاص خاص خادم کون کون تھے؟

جواب: حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی، حضرت عقبہ بن عامر جہنی، حضرت بلال بن رباح، حضرت سعد، حضرت ذؤنبر یا ذؤنجر (نجاشی بادشاہ کے بھتیجے یا بھانجے)، کبیر بن شداد لیشی، حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت اسلم بن شریک، حضرت ایمن بن عبید بن ہاشم بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ۔

عورتیں:

ہند اور اسماء حضرت حارثہ کی صاحبزادیاں، اور ام ایمن رضی اللہ عنہ۔

سوال: ان میں سے کن کن صاحب کے کیا کیا خدمت پر تھی؟

جواب: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ضروریات خانگی وغیرہ
 حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جوتا اور مسواک کی نگرانی
 حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ خجری کی نگہبانی، سفر میں لے چلانا
 حضرت اسلم بن شریک رضی اللہ عنہ لگام کی دیکھ بھال، اونٹنی کی نگرانی
 حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ اذان، مصارف اور اخراجات
 حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا وضو اور استنجا کا پانی اور لوٹا
 حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ انگوٹھی کی نگرانی

مؤذن:

سوال: حضور ﷺ نے کس کس کو مؤذن مقرر کیا اور کہاں کہاں؟

جواب: حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں باری باری، کبھی کوئی
 حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ مسجد نبوی میں، رات کو کبھی دن کو

مکہ مکرمہ، مسجد حرام
مسجد قباء

حضرت ابو محمد ذرہ رضی اللہ عنہ
حضرت سعد قرظ رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ کے پہرہ دار:

سوال: کس کس نے حضور ﷺ کے متعلق کہاں کہاں پہرہ دیا؟

جواب: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

جنگ بدر کے دن، جب کہ حضور ﷺ

جھوپڑی میں آرام فرما رہے تھے

جنگ احد کے دن

جنگ احد کے دن

جنگ احزاب کے دن

وادی قری

وادی قری

وادی قری

وادی قری

حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ

حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ،

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

سوال: پہرہ کا طریقہ کب تک جاری رہا؟

جواب: یوں تو حضور ﷺ کا بھروسہ ہمیشہ خدا کی ذات پر رہتا تھا۔ جیسا کہ غزوہ غطفان

کے موقع پر دشور محاربی کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جو ربیع الاول ۳ھ ہجری

میں پیش آیا تھا۔ مگر تدبیر کے درجہ میں لوگ پہرہ لگا لیا کرتے تھے۔ مگر جب یہ

آیت نازل ہوئی: وَاللّٰهُ يَعْصِيْكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) یعنی لوگوں کے شر

سے خدا تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ تو حضور ﷺ نے اس کو بھی بند فرما دیا۔

خدی خواں:

سوال: قافلہ میں اگلے اونٹ پر جو خدی خواں ہوتے ہیں، یعنی جو شعر پڑھا کرتے ہیں

تاکہ اونٹ تیز چلیں وہ کون کون رہے ہیں؟

جواب: حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت انجسہ، حضرت عامر بن اکوع اور ان کے چچا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم۔

محرم:

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وغیرہ وقتاً فوقتاً کون کون حضرات لکھا کرتے تھے؟

جواب: حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عامر بن فہرہ، حضرت عبداللہ بن ارقم، حضرت ابی بن کعب، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت شرییل بن حسنہ رضی اللہ عنہم۔

نوجا، یعنی جن پر خاص توجہ رہتی ہے:

سوال: وہ حضرات کون تھے جن پر خاص عنایت رہتی تھی؟

جواب: چاروں خلفاء، حضرت حمزہ، حضرت جعفر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد، حضرت سلمان، حضرت حذیفہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار، حضرت بلال رضی اللہ عنہم۔

عشرہ مبشرہ:

سوال: عشرہ مبشرہ یعنی وہ دس حضرات جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی تھی وہ کون کون ہیں؟

جواب: چاروں خلفاء، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔

جانور، ہتھیار اور خانگی سامان وغیرہ

گھوڑے:

- (۱) سَلْب: اُحد کی جنگ میں اس پر سوار تھے۔ پیشانی اور تین ہاتھ پیر سفید، بدن کا رنگ کُنِیت (غنائی) داہنا ہاتھ بدن کے رنگ کا، گھوڑ دوڑ میں حضور ﷺ اُس پر سوار ہوئے، وہ آگے بڑھا، یہ پہلا گھوڑا ہے جس کے حضور ﷺ مالک ہوئے۔
- (۲) مُرْتَجُو: اشہب یعنی سفید، مائل بسیاہی۔
- (۳) لَحِیف: ربیعہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔
- (۴) لُزَاز: مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔
- (۵) ظَرَبٌ یا طَرَبٌ: فروہ جذامی نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔
- (۶) سِجْم: یمن کے سودا گروں سے خریدا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں تین مرتبہ اُس پر سوار ہوئے اور آگے بڑھے اس کو دستِ مبارک سے تھپکتے ہوئے فرمایا: بحر یعنی تیز رفتار اور لائے قدم والا گھوڑا ہے، سمندر کی طرح بہتا ہے۔
- (۷) وُرْد: خیم داری رضی اللہ عنہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔
- (۸) ضَرَسٌ
- (۹) مَلَاوَح

(دسویں کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور اس سے زائد ۵۵ تک کی بھی روایتیں ہیں)

نِخْر:

- (۱) ذُلْدَل: مقوقس نے ہدیہ میں بھیجا تھا، سفید سیاہی مائل رنگ تھا۔ یہ سب سے پہلا نِخْر ہے کہ اسلام کے زمانہ میں اس پر سواری ہوئی۔
- (۲) فُصْف: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یافروہ جذامی نے پیش کیا تھا۔

(۳) ایلیم: مقام ایلہ کے بادشاہ کا ہدیہ۔

(۴) اس کا ذکر صرف علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کیا ہے نام نہیں بیان کیا۔ دومۃ الجندل کے بادشاہ کا ہدیہ تھا۔

دراز گوش (گدھا):

(۱) یٰعفور یا عفور: مقوقس نے ہدیہ کیا تھا، رنگ سفید، سیاہی مائل۔

(۲) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے، نام نہیں بیان کیا۔ فروہ جذامی کا ہدیہ تھا۔ دودھ کی اور لاؤ اونٹنیاں:

بیس، اور براویت علامہ ابن قیم رحمہ اللہ پینتالیس تھیں جو غابہ مقام پر رہا کرتی تھیں۔ سائنڈنیاں:

دو یا تین تھیں:

(۱) قصواء: جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت کے وقت سواری میں تھی۔

(۲) عضباء

(۳) ہدعاء: بعض نے یہ دونوں نام ایک ہی قرار دیئے ہیں اور بعض حضرات نے تینوں ایک ہی اونٹنی کے نام قرار دیئے ہیں۔

سواری کا اونٹ:

ایک تھا، جو اصل میں ابو جہل کا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا کڑا تھا۔ حضور ﷺ نے صلح حدیبیہ کے دن مکہ والوں کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیا۔

بکرے اور بکریاں:

سو تھیں، ان میں سے جب بچہ پیدا ہوتا تو ایک کو ذبح فرما لیتے، سو سے زائد نہ ہوتیں۔ ان میں سے ایک خاص بکری حضور ﷺ کے دودھ کے لیے مخصوص تھی۔

مرغ:

ایک مرغ تھا، رنگ سفید۔ واللہ اعلم!

تہتیار

تلواریں:

- (۱) ماثور: یہ سب سے پہلی تلوار ہے، جو والد ماجد کے ترکہ میں حضور ﷺ کو ملی تھی۔
 (۲) ذوالفقار: بنی الحجاج کی تھی، جنگ بدر میں ہاتھ لگی تھی۔ جس کے متعلق حضور ﷺ نے جنگ احد سے پہلے ایک خواب دیکھا تھا جسکی تعبیر یہ لگائی تھی کہ شکست ہوگی، جو جنگ احد میں پوری ہوئی۔

(۳) قلعی

(۴) بتار

- (۵) خف: یہ تینوں تلواریں بنی قینقار کے مال میں سے ملی تھیں۔
 (۶) قضیب: یہ سب سے پہلی تلوار ہے جس کو حائل کے طور پر حضور ﷺ نے پہنا تھا۔
 (۷) غضب: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی۔

(۸) رسوب

(۹) مخدوم

نیز:

(۱) نغوی

(۲) ثنی

(۳) ایک قسم کا چھوٹا نیزہ (حربہ) جس کو ”نبعہ“ کہتے تھے۔

(۴) غزوة (چھوٹا سانیزہ) اس کو بقرعید میں آگے لے جایا جاتا اور نماز کے وقت سامنے گاڑ

کرستہ بنایا جاتا، کبھی کبھی اس کو لے کر حضور ﷺ چلتے بھی تھے۔
(۵) بیضاء (بڑا نیزہ)۔

لاٹھیاں:

- (۱) عجن: چھوٹی سی چھڑی تھی، تقریباً ایک ہاتھ لانی، موٹھ مڑی ہوئی، اونٹ کی سواری کے وقت حضور ﷺ کے پاس رہتی۔ چلنے اور سوار ہونے میں بھی اس سے سہارا لیتے تھے۔
(۲) عرجون: پوری لاٹھی کا آدھا۔
(۳) ممشوق: پتلی چھڑی، شوہ درخت کی۔

کمان:

- (۱) شداد^۱ (۲) زوراء
(۳) روحاء (۴) صفراء
(۵) بیضاء (۶) کتوم، جو جنگ اُحد میں ٹوٹ گئی۔
ترکش:

- (۱) جمع (۲) کافور

خود:

- (۱) موش (۲) ذوالسبغ^۲

زرہ:

- (۱) ذات الفضول: یہ وہی زرہ ہے جو گھر والوں کے کھانے کے لیے تیس صاع یعنی تقریباً ڈھائی من غلہ کے عوض ابوحمزہ یهودی کے پاس ایک سال رہن رہی تھی اور کہا جاتا ہے کہ جنگ حنین میں حضور ﷺ نے اُسی کو زیب تن فرمایا تھا۔

(۲) ذات الوشاح

(۳) ذات الحواشی

(۴) سعدیہ

(۵) فقہ: یہ دونوں بنی قیٹاع کے مال میں سے ملی تھیں۔

(۶) البزاء

(۷) غزلق۔

پنکا چڑے کا:

اس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں۔

ڈھال:

(۱) زلوق

(۲) فتن۔

ایک ڈھال پر کرگس کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے اس پر دست مبارک رکھا وہ فوراً مٹ گئی۔

جھنڈا:

ایک نام ”عقاب“ تھا، رنگ کالا۔ باقی اور جھنڈے بھی ضرورت کے وقت بنتے رہے ہیں، جن کے مختلف رنگ تھے، جھنڈیاں عموماً سفید رنگ کی ہوتی تھیں۔

خیمہ:

ایک تھا۔

چار جامہ:

ایک تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

کپڑے:

جبے تین، حمیری جامے دو، صحاری گرتہ ایک، صحاری جامے دو، یمنی جامہ ایک، سحول کرتا ایک، چادر پھول دار یا دھاری دار ایک، سفید کمبل ایک، ٹوپیاں تین یا چار، عمامہ ایک، کالا

کمبل ایک، لحاف ایک، چمڑے کا بستر جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو کپڑے جمعہ کی نماز کے لیے مخصوص رہا کرتے تھے۔ ایک رومال، دو سادہ موزے جن کو نجاشی بادشاہ نے ہدیہ میں پیش کیا تھا۔

برتن وغیرہ

بڑا بادیہ لکڑی کا ایک، جس میں تین جگہ چاندی کی پتیاں لگا کر مضبوط جوڑا گیا تھا۔

پتھر کا بادیہ ایک، جس سے وضو فرمایا کرتے تھے۔

پیتل یا کانسی کا کوٹھ ایک، جس میں حنا اور وسہ گھوٹا جاتا، حنا کو گرمی کے وقت حضور ﷺ سر مبارک پر رکھتے تھے۔

پیالہ شیشہ کا ایک۔

پیتل کا بڑا کوٹھ ایک۔

اغزاء: ایک بڑا کوٹھ جس میں چار کڑے لگے ہوئے تھے اس کو چار آدمی اٹھایا کرتے تھے۔

ایک لکڑی کا بادیہ جو اندر رکھا رہتا تھا، ضرورت کے وقت رات کو اس میں پیشاب کر لیا کرتے تھے۔

ایک تھیلہ جس میں آمینہ، کنگھا، سرمہ دانی، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔

ایک چار پائی جس کے پائے سال کے تھے، جس کو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پیش کیا تھا۔



ایک چاندی کی انگٹھی جس پر نقش تھا:

تسمیۃ بالخیر

مكتبة النبوي

مكتبة ترويحية ودينية في المدينة المنورة، باكستان
شارع الطاهر

ملونة كرتون مقوي

السرّاجي	شرح عقود رسم المفتي
الفوز الكبير	من العقيدة الطحاوية
تلخيص المفتاح	من الكافي
مبادئ الفلسفة	المعلقات السبع
دروس البلاغة	هداية الحكمة
تعليم المتعلم	كافية
هداية النحو (مع السارون)	مبادئ الأصول
المرفقات	زاد الطالبين
ايساغوجي	هداية النحو (متداول)
عوامل النحو	شرح مائة عامل
المنهاج في القواعد والإعراب	

سيطع قريبا بعون الله تعالى

ملونة مجلدة

الصحيح للبخاري

مجلدة

الجامع للترمذي	الصحيح لمسلم
الموطأ للإمام محمد	الموطأ للإمام مالك
مشكاة المصابيح	الهداية
التيان في علوم القرآن	تفسير البيضاوي
شرح نخبة الفكر	تفسير الجلالين
المسند للإمام الأعظم	شرح العقائد
ديوان الحماسة	آثار السنن
مختصر المعاني	الحسامي
الهدية السعيدية	ديوان المتنبي
رياض الصالحين	نور الأنوار
القطبي	شرح الجامي
المقامات الحريية	كنز الدقائق
أصول الشاشي	نقحة العرب
شرح تهذيب	مختصر القدوري
علم الصيغ	نور الإيضاح

Books in English

Tafsir-e-Uthmani (Vol. 1, 2, 3)
Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Key Lisaan-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)
Al-Hizb-ul-Azam (Large) (H. Binding)
Al-Hizb-ul-Azam (Small) (Card Cover)

Other Languages

Riyad Us Saliheen (Spanish) (H. Binding)
Fazail-e-Aamal (German)
Muntakhab Ahadis (German)
To be published Shortly Insha Allah
Al-Hizb-ul-Azam (French) (Coloured)

مکتبہ النبوی

مکتبہ نبویہ
مدرسہ محمد علی میرٹھی لبریری ٹرسٹ (مہاراجہ کراچی پاکستان)

درس نظامی اردو مطبوعات

نورانی قاعدہ	سورۃ لیس	خیر الاصول (اصول الحدیث)	خصائل نبوی شرح شامل ترمذی
بغدادی قاعدہ	رحمانی قاعدہ	الاغنیات المفیدۃ	معین الفلسفہ
تفسیر عثمانی	اعجاز القرآن	معین الاصول	آسان اصول فقہ
النبی الخاتم المرسلین	بیان القرآن	فوائد مکبہ	تیسیر المنطق
حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم	سیرت سید الکونین خاتم النبیین رضی اللہ عنہ	تاریخ اسلام	فصول اکبری
امت مسلمہ کی تاریخ	خلفائے راشدین	علم النحو	علم الصرف (اولین و آخرین)
رسول اللہ ﷺ کی نصیحتیں	نیک بیبیاں	جوامع الکلم	عربی صفوۃ المصادر
اکرام المسلمین / حقوق العباد کی فکر کیجیے	تبلیغ دین (امام غزالی رضی اللہ عنہ)	صرف میر	جمال القرآن
حیلے اور بہانے	علامات قیامت	تیسیر الابواب	نحو میر
اسلامی سیاست	جزاء الاعمال	بہشتی گوہر	میزان و منشعب (الصرف)
آداب معیشت	علیکم بسنتی	تسہیل البتدی	تعلیم الاسلام (مکمل)
حصن حصین	منزل	فارسی زبان کا آسان قاعدہ	عربی زبان کا آسان قاعدہ
الحزب الاعظم (مفتواری مکمل)	الحزب الاعظم (ماہوار مکمل)	کریمیا	نام حق
زاد السعید	اعمال قرآنی	تیسیر المبتدی	پند نامہ
مسنون دعائیں	مناجات مقبول	کلید جدید عربی کا معلم (اول تا چہارم)	عربی کا معلم (اول تا چہارم)
فضائل صدقات	فضائل اعمال	آداب المعاشرت	عوامل النحو (النحو)
فضائل درود شریف	اکرام مسلم	تعلیم الدین	حیات المسلمین
فضائل حج	فضائل علم	لسان القرآن (اول تا سوم)	تعلیم العقائد
جواہر الحدیث	فضائل امت محمدیہ رضی اللہ عنہ	سیر صحابیات	مفتاح لسان القرآن (اول تا سوم)
آسان نماز	مختص احادیث	نماز حنفی	بہشتی زیور (تین حصے)
نماز مدلل	آئینہ نماز	بہشتی زیور (مکمل)	
معلم الحجاب	روضة الادب		
خطبات الاحکام لمجعات العام	داغی نقشہ اوقات نماز: کراچی، سندھ، پنجاب، خیبر پختونخواہ		

دیگر اردو مطبوعات

قرآن مجید پندرہ سطر (ماہلی)	پنج پارہ
پنج سورہ	عم پارہ (درسی)